اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۶ | رجب ۱۴۴۶ھ | جنوری ۲۰۲۵ء | شمارہ ۱

ارضاء الحق

(حصہ دوم)

(رب کی خوشنودی) (قسط دوم)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۷۵ روپے | زر سالانہ =/۹۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

ارضاءالحق

(حصہ دوم۔قسط دوم)

(اللہ کی خوشنودی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے وعظ ارضاء الحق ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ کو مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں جمعرات کے روز صبح کے وقت عبد اللطیف صاحب مدرس اول مظاہر العلوم سہارنپور کی درخواست پر بیان ہوا۔ جو پانچ گھنٹے تک جاری رہا۔ سامعین کی تعداد تقریبا چالیس (۴۰) تھی۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب مرحوم نے اسے قلمبند فرمایا۔ حضرت نے تفصیل سے یہ بات بیان کی ہے کہ اپنے عمل میں اللہ اور رسول کی خوشنودی کی نیت رکھے۔ مخلوق کی خوشنودی بھی اگر اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو تو جائز ہے ریاء اور اخلاص کی حقیقت کو بھی خوب واضح کیا ہے۔ راہ سلوک طے کرنے والوں کے لیے انتہائی مفید وعظ ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ کر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

نوٹ: اس وعظ کی پہلی قسط کا آخری عنوان (جوازِ اِذن) تھا اور اس دوسری اور آخری قسط کا پہلا عنوان (بے جا عناد) ہے۔

خلیل احمد تھانوی

4/7/2024

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
①	بے جا عناد	۷
②	باطنی مفتی	۸
③	اذنِ بخیل	۱۱
④	نظر بر تقدیر	۱۲
⑤	خرچ کی برکت	۱۳
⑥	تعظیم علم	۱۴
⑦	جائز تاویل	۱۶
⑧	شیخ نورانی	۱۶
⑨	حقیقی تفقہ	۱۹
⑩	یک کارازیں دوکار	۱۹
⑪	تعیین ثمرات کا نقصان	۲۰
⑫	فکر لذیذ	۲۳
⑬	ثمراتِ خانہ ساز	۲۴
⑭	نفع متعدی کا دھوکہ	۲۶
⑮	نفع لازم اور نفع متعدی میں افضلیت کا معیار	۲۶
⑯	ضرورت نظر صحیح	۲۸
⑰	علامت اخلاص	۲۹
⑱	درجات توحید مطلوب	۳۲

⑲ ..... حقیقت وحدت الوجود ۳۳
⑳ ..... علاج رضاء خلق ۳۵
㉑ ..... حقیقت توجہ ۳۷
㉒ ..... سلبِ نسبت ۳۸
㉓ ..... ارضائے خلق بیت ارضائے حق ۳۹
㉔ ..... صورت ریاء ریاء نہیں ۴۰
㉕ ..... مراتب اخلاص ۴۲
㉖ ..... احمق کا اخلاص ۴۵
㉗ ..... حقیقت ریاء ۴۷
㉘ ..... اخبار الجامعۃ ۴۹

ماہ دسمبر 2024ء کے وعظ کا آخری عنوان (جوازِ اذن) تھا۔

بے جا عناد

اس موقع پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا وہ یہ کہ میں نے حدیث بریرہؓ کا مضمون ایک دفعہ اہل بدعت کے جلسہ میں بیان کیا تو وہ لوگ کہنے لگے کہ حضور ﷺ کی توہین کی گئی کہ ایک باندی نے جب آپ ﷺ کی شفاعت کو رد کر دیا تو حق تعالیٰ تو قیامت کے دن (نعوذ باللہ) آپ کی شفاعت کیوں قبول کریں گے تو گویا شفاعت کا ابطال ① کیا گیا ہے۔ یہ مضمون میرے متن پر حاشیہ تھا یہ نتیجہ اس حدیث سے انہوں نے ہی نکالا کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ بھی آپ کی شفاعت کو رد کر دیں گے الخ۔ میرے تو وہم میں بھی یہ بات نہ تھی اور اب میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کیونکہ قیامت میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے تو حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد فرمائیں گے۔

سَلْ تُعْطَهُ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ② آپ ﷺ مانگیئے جو چاہو گے دیا جائے گا اور آپ ﷺ سفارش کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی تو جو شفاعت حق تعالیٰ کے حکم اور وعدہ قبول کے بعد ہوگی اس میں رد کا احتمال کیونکر ہوسکتا ہے اور حضور ﷺ نے جو بریرہؓ سے مغیثؓ کی سفارش فرمائی تھی وہ انہوں نے اس لئے رد کر دی کہ یہ شفاعت بریرہؓ کے اذن ③ اور وعدۂ قبول کے بعد نہ تھی تو دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا اس واقعہ سے شفاعت وعدہ قیامت کے محتمل رد ہونے پر استدلال کرنا محض غلط تھا جس کا منشا بجز عناد ④ کے کچھ نہ تھا کہ عنایت فرماؤں نے مجھے بدنام کرنا چاہا کہ اس نے ایسی بات بیان کی جس سے یہ نتیجہ لازم آتا ہے مگر یہ نہ سمجھا کہ جتنی بات میں نے بیان کی وہ تو احادیث میں مصرح ⑤ ہے اگر اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے تو یہ مجھ پر اشکال نہ ہوا بلکہ حدیث صحیح پر اشکال ہوا۔ مگر خدا ناس

① مسئلہ شفاعت کو باطل کر دیا ② کنز العمال: ۳۶۴۸، اتحاف السادۃ المتقین: ۹/ ۶۰۴ ③ اجازت ④ سوائے دشمنی کے ⑤ احادیث میں اس کی تصریح ہے۔

کرے عناد کا کہ اس سے عقل مسخ ہو جاتی ہے چنانچہ بہت لوگ بہشتی زیور پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں شرمناک مسائل ہیں۔ حالانکہ وہ مسائل عالمگیری اور ہدایہ وشامی وغیرہ سے لکھے گئے ہیں۔ یہ معترض اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ اعتراض بہشتی زیور تک نہیں رہتا۔ بلکہ دور تک پہنچتا ہے۔

غرض آج کل تو ایسی صورت میں طیب نفس سے اذن نہیں ہوتا چاہے لہجہ کتنا ہی کڑا کے کا ہو کیونکہ بے ساختہ لہجہ کی اور شان ہوتی ہے اور بنائے ہوئے لہجہ کی اور شان ہوتی ہے۔ پرکھنے والے اس کو پرکھ لیتے ہیں جس کے دل میں انشراح نہ ہو وہ چاہے کتنا ہی کڑا کے سے اجازت دے مبصر اس کے دل کی حالت کو تاڑ لے گا۔

باطنی مفتی

دیکھو بعض دفعہ بچہ بھی بہت کڑا کے سے روتا ہے مگر محلّہ والے جان لیتے ہیں کہ بچہ رو رہا ہے بڑا آدمی نہیں رو رہا جیسے ان کو باوجود کڑا کے کی آواز کے ضعف کا احساس ہو جاتا ہے ایسے ہی مبصر کو ایسے موقع میں ضعف قلب کا احساس ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ شہادت قلب سے کام لے ایسے ہی مواقع کے لئے تو ارشاد ہے۔

استفت قلبك و لو افتاك المفتون①

حضرت جب دل کو لگتی ہے اس وقت جواز کے سارے فتوے رکھے رہ جاتے ہیں اور اس وقت تک چین نہیں ملتا جب تک کھٹک کی بات کو دور نہ کیا جائے۔ مولانا محمد منیر صاحب نانوتہ میں ایک بزرگ تھے ایک دفعہ ان کے ہاتھ سے مدرسہ دیو بند کی ایک امانت ضائع ہوگئی تھی، سفر میں کسی نے چرالی اور رقم ذرا زیادہ تھی۔ انہوں نے فوراً مدرسہ میں اطلاع کر دی کہ وہ امانت میرے پاس سے چوری ہوگئی لیکن میں ضمان ادا کروں گا۔ مدرسہ والوں نے چاہا کہ مولوی صاحب سے ضمان نہ لیں کیونکہ ان کی دیانت پر پورا اعتماد تھا کہ انہوں نے قصداً حفاظت میں کوتاہی نہیں کی اور ایسی حالت میں شرعاً امین پر ضمان نہیں۔

---

(۱) ''اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ مفتی فتویٰ دے دیں'' الصحیح للبخاری: ۸/ ۱۰۷، الصحیح لمسلم کتاب الذکر والدعاء باب: ۱۰ رقم: ۳۱ سنن الترمذی: ۲۳۶۷، مشکوۃ المصابیح: ۲۲۹۸

چنانچہ اُن سے کہا گیا تو انہوں نے اس کو منظور نہ کیا اور کہا مجھے بدوں ضمان دیئے چین نہ آئے گا۔ مدرسہ والوں نے مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت مولوی منیر صاحب نہیں مانتے مدرسہ کا ضمان ادا کرنا چاہتے ہیں اگر آپ فتویٰ لکھ دیں تو وہ شاید مان جائیں۔ کیونکہ مولانا گنگوہیؒ کو ساری جماعت بڑا مانتی تھی اور مولانا کے فتوے پر ہر شخص کو پورا اعتماد تھا۔ حضرت نے فتویٰ لکھ دیا کہ جب امین نے حفاظت میں کوتاہی نہ کی ہو تو اس پر شرعاً ضمان نہیں۔

مدرسہ والوں نے یہ فتویٰ مولانا محمد منیر صاحب کو لا کر دکھلایا سو حالانکہ مولوی محمد منیر صاحب مولانا گنگوہیؒ کا بڑا ادب کرتے تھے۔ مگر اس وقت یہ فتویٰ دیکھ کر اُن کو بڑا جوش آیا اور ہم عمری کے سبب ناز کے لہجہ میں کہا بس میاں رشید احمد نے سارا فقہ میرے ہی واسطے پڑھا تھا ذرا وہ اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ اگر اُن کے ہاتھ سے مدرسہ کی امانت ضائع ہو جاتی تو کیا وہ خود بھی اس فتوے پر عمل کرتے یا بدوں ادا کئے چین نہ ملتا۔ لے جاؤ میں کسی کا فتویٰ نہیں دیکھنا چاہتا۔ حضرت انہوں نے نہیں مانا اور زمین بیچ کر یا نا معلوم کسی طرح مدرسہ کی رقم ادا کی جب چین پڑا۔

ایک اور قصہ تاویل کا سنئے۔ میں نے ایک دفعہ مراد آباد میں اثنا وعظ میں چندہ بلقان کی تحریک کی لوگوں نے چندہ دینا شروع کیا۔ ایک تحصیلدار صاحب نے جو قدرے مخبوط الحواس بھی تھے سو روپیہ دیئے۔ اس وقت تو میں اُن کے چندہ سے خوش ہوا کیونکہ الدّال علی الخیر کفاعلہ (کسی نیک کام کا کرنے والا مثل اُس کے کرنے والے کے ہے) کے موافق تحریک کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے لیکن بعد میں اس نے مجھے بتلایا کہ جیسے ثواب ملتا ہے کبھی سوء استعداد مدلول سے عذاب بھی ملتا ہے۔ گو دنیوی ہی سہی واقعہ یہ ہوا کہ اس شخص نے مجلس ہلال احمر مراد آباد سے یہ درخواست کی کہ میرے سو روپیہ کی رسید قسطنطنیہ سے الگ منگا کر دو۔ اراکین مجلس نے اس سے انکار کیا کیونکہ وہاں سو روپیہ کو پوچھتا کون ہے؟۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب دس بارہ ہزار جمع ہو گئے اس کی ایک قسط بھیج دی گئی۔ وہاں سے اس قسط کی رسید آ گئی الگ الگ سو پچاس کی رسید نہیں آ سکتی۔ جب اراکین مجلس نے اس سے انکار کیا تو اُس نے مجھے نوٹس دیا کہ میں نے آپ کی تحریک پر

چندہ دیا تھا اب یا تو آپ میرے سو روپیہ کی الگ رسید منگوا کر دیں ورنہ میں دعویٰ کروں گا۔ میں نے مراد آباد میں اپنے احباب کے پاس سو روپیہ اپنے پاس سے بھیج دیئے کہ یہ ان تحصیلدار صاحب کو دے دو اور ان سے باقاعدہ رسید لے لو تا کہ وہ پھر کچھ نہ کہہ سکے۔ دوستوں نے مجھے لکھا کہ آپ پر یہ تاوان کیوں ڈالا جائے؟ ہم اپنے پاس سے سو روپیہ چندہ کر کے یہ سو روپیہ ادا کر دیں گے۔ اور آپ کی رقم واپس ہے۔ جب وہ سو روپیہ میرے پاس واپس آ گئے تو میں نے منظور نہ کئے۔ بلکہ دوبارہ اُن ہی کو واپس کر دیئے کہ اب میں ان کو واپس نہ لوں گا۔ اسی طرح چند بار لوٹ پھیر ہو کر جانبین کے اتفاق سے وہ رقم ایک نیک مصرف میں لگا دی گئی اس دوران میں ایک عالم صاحب میرے پاس آئے ہوئے۔ صاحب درس بھی تھے صاحب فتوی بھی وہ کہنے لگے کہ آپ نے اپنے پاس سے یہ رقم کیوں بھیجی؟ آخر آپ کے پاس اس مد کی اور بھی تو رقم ہوگی میں نے کہا ہاں موجود ہے۔ کہنے لگے بس اسی میں سے یہ تاوان ادا کر دیا ہوتا۔ میں نے کہا سبحان اللہ! جن لوگوں نے اس چندہ میں مجھے رقم دی ہے وہ ترکوں کو بھیجنے کے لئے دی ہے یا اس واسطے دی ہے کہ میں اس سے ناگہانی تاوان بھی ادا کیا کروں وہ تاویل سے اس کو جائز کرنے لگے اور وہ تاویل یہ تھی کہ اگر وہی رقم تحصیلدار کی محفوظ ہوتی تو اس کا واپس کرنا تو جائز تھا ہی۔ اور چونکہ مد متحد ہے اس لئے اس مد کی تمام رقمیں اس رقم کے ساتھ متحد ہیں۔ میں نے کہا ان گندی تاویلات سے مجھے معاف کیجئے۔ خیر یہ تاویل تو بہت ہی صریح البطلان تھی لیکن جہاں محتمل الصحۃ بھی ہو۔ مگر دل قبول نہ کرے وہاں بھی اس پر عمل نہ کیا جائے ایسے ہی مواقع کے لئے یہ حکم ہے۔

استفت قلبك و لوا فتاك المفتون① کہ باطنی مفتی کے خلاف ظاہری مفتی کا قول نہ لیا جائے خصوصاً جب کہ مفتی خود ہی مفتون② ہو وہاں تو فتوؤں پر اعتماد کرنا ہی نہ چاہئے بلکہ فتویٰ کے ساتھ اپنے دل کو بھی دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے۔

---

① ''اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ مفتی بھی فتویٰ دیدیں'' مسند أحمد ۵/ ۳۳۴، المستدرک للحاکم ۲/ ۴۱۳، الدر المنثور ۵/ ۱۷۷، الترغیب والترہیب للمنذری: ۵/ ۱۷۷ ② فتنہ میں مبتلاء

اذنِ بخیل

اس لئے آج کل اذن ① پر بھی بدوں شہادت قلب کے عمل نہ کیا جائے ہاں جہاں قلب شہادت رہے کہ دوسرے نے خوشی سے اجازت دیدی ہے، وہاں اجازت ہے بلکہ اگر دل گواہی دے کہ اس شخص کو میرا بدون اذن کے کھانا بھی ناگوار نہ ہوگا بلکہ خوش ہوگا وہاں بدوں اذن کے کھانا بھی جائز ہے بلکہ چھین کر بھی کھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ دوست سخی ہو بخیل نہ ہو کیونکہ بخیل کو کسی سے محبت نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو مال کی برابر نہیں ہوتی۔

چنانچہ بخیلوں کی حکایات اس بارے میں کثرت سے سنی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مال سے زیادہ اُن کو کسی چیز سے محبت نہیں ہوتی۔

ایک بخیل کی حکایت ہے کہ وہ شہد کھا رہا تھا کہ اتنے میں اس کا دوست آ گیا اُس نے روٹی تو چھپادی اور تواضع کے طور پر پوچھا کہ شہد کھاؤ گے؟ کہا ہاں اور یہ کہہ کر کھانا شروع کیا۔ بخیل نے اول تو یہ سمجھ کر تواضع کی ہوگی کہ روکھا شہد کون کھاتا ہے شاید یہ انکار کر دے گا جب اس نے انکار نہ کیا تو یہ سمجھا کہ شاید دو چار چمچے کھا کر بس کر دے گا مگر اُس نے بس ہی نہ کی تو اس سے رہا نہ گیا۔ کہنے لگا۔

ما هذا انه يحرق القلب کہ میاں زیادہ نہ کھاؤ شہد بہت گرم ہوتا ہے۔ دل کو پھونک دیتا ہے۔ قال نعم ولكن قلبك کہا ہاں سچ کہتے ہو لیکن وہ تمہارے دل کو پھونکتا ہے میرے دل کو نہیں۔

اسی طرح ایک بخیل انجیر کھا رہا تھا کہ سامنے سے ایک اعرابی آ گیا اس نے اُس کو آتا ہوا دیکھ کر انجیر چادر سے چھپا دیے وہ سمجھ گیا جب وہ آ کر بیٹھا تو بخیل نے ٹالنے کے طور پر کہا کہ کچھ قرآن جانتے ہو کہا ہاں کچھ پڑھو تو اس نے پڑھا۔ وَٱلتِّينِ وَٱلزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ وَهَٰذَا ٱلْبَلَدِ ٱلْأَمِينِ ② بخیل نے کہا اینَ وَالتین یعنی والتین کہاں گیا۔ اس نے کہا هُوَ تَحْتَ كَسَاءِ كَ کہ وہ تو تیری چادر کے اندر موجود ہے۔

---

① اجازت دینے پر بھی بغیر شہادت قلب۔ ② قسم ہے زیتون، طور سینا اور اس امن والے شہر کی"

تین عربی میں انجیر کو کہتے ہیں تو بخیلوں سے چھین کر کھانا جائز نہیں ۔ بلکہ اس کی تو اجازت بھی مشکوک ہوتی ہے ہاں سخی دوستوں سے اگر پوری بے تکلفی ہو تو چھین کر بھی کھانا جائز ہے کیونکہ شہادت قلب ① موجود ہے اور جہاں تک قلب شہادت نہ دے وہاں ہرگز ہاتھ نہ بڑھاؤ بلکہ واپس کر دو اور جب تک کھٹک دور نہ ہو ہرگز نہ لو۔

نظر بر تقدیر

اور یہ مت سمجھو کہ اگر اس رقم کو واپس کر دیں گے تو پھر کہاں سے آئے گی اگر وہ تقدیر میں ہے تو پھر آئے گی اور اگر تقدیر میں نہیں ہے تو اس کی جگہ دوسری رقم آ جائے گی خدا سے ایسے ناامید کیوں ہو گئے کہ بس ایک دفعہ دے کر وہ پھر نہ دیں گے۔

بدگمانی کردن و حرص آوری کفر باشد پیش خوان مہتری ②

ابن عطاء اسکندری رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ الہامات الٰہیہ لکھے ہیں، ان میں ایک الہام یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے میں ایسا روزی دینے والا ہوں کہ اگر تو یہ دعا بھی کیا کرے کہ اے اللہ مجھے رزق نہ دیجیو تو میں جب بھی دوں گا اور تیرے مانگنے پر تو بھلا کیوں نہ دوں گا۔

صاحبو! پھر حق تعالیٰ سے ایسی بدگمانی کیوں ہے کہ وہ آج دے کر پھر نہ دیں گے آخر تقدیر بھی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ پھر تقدیر پر صابر و شاکر کیوں نہیں رہتے۔

امیر شاہؒ خان صاحب نے ایک حکایت لکھوائی ہے کہ دہلی میں ایک بزرگ پہنچے اور ان کو کئی دن کا فاقہ پیش آیا کئی روز کے بعد ایک قاب ③ میں نہایت نفیس پلاؤ آیا، انہوں نے کھایا مگر پورا نہ کھایا گیا بلکہ آدھا بچ گیا، اب نفس کے ساتھ کشاکشی ④ ہوئی نفس کہتا تھا کہ اس کو شام کے واسطے رکھ لو اور لمۂ خیر ⑤ کہتا تھا کہ فقیروں کو دے دو شام کو اللہ تعالیٰ پھر دیں گے، نفس نے کہا کیا خبر ہے شام کو دیں گے یا نہیں لمۂ خیر نے کہا خدا تعالیٰ نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے کہا ہاں وعدہ تو ہے مگر اس میں کچھ وقت کی تو تعیین نہیں کیا خبر کب دیں گے۔ لمۂ خیر نے کہا پھر کیا حرج ہے ان کو اختیار ہے جب

① دل گواہی دیتا ہے کہ اس کو برا نہیں لگے گا۔ ② ''بدگمانی اور حرص خوان خداوندی کے سامنے کفر کی باتیں ہیں'' ③ تھال میں ④ کھینچا تانی ⑤ بھلائی کی طرف بلانے والا۔

چاہیں دیں بالآخر لمۂ خیر غالب آیا اور وہ بچا ہوا کھانا کسی فقیر کو دے دیا، سامنے سے ایک مجذوب نظر آیا اور یہ کہتا ہوا گزر گیا واہ بے سالے واہ خوب سمجھا یہ بات ٹھہر چکی تھی کہ اگر یہ بچا ہوا کھانا شام کے واسطے رکھے تو سالے کو بھوکا مار دو اور عمر بھر کچھ کھانے کو نہ دو واہ بے سالے واہ، خوب سمجھا اب دروازہ کھل گیا۔

صاحبو! یاد رکھو بعض دفعہ ایک روپیہ ایسا رکھنا جس سے دل میں کھٹک تھی رزق ① سے محرومی کا سبب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان کیا کرتے ہیں کہ اس کو ہم پر بھروسہ ہے یا اسباب پر نظر ہے، اس لئے بعض دفعہ ایسی چیز بھیجتے ہیں جس میں شبہ ہو جس کے متعلق اُس کے دل میں کھٹک پیدا ہو، اب اگر اس نے کھٹک کی وجہ سے اس کو واپس کر دیا تو حق تعالیٰ فتوحات کا دروازہ کھول دیتے ہیں ورنہ باب مسدود ہو جاتا ہے اب آج کل یہ حالت ہے کہ جو کچھ آ گیا اس کو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے واسطے بھیجا ہے پھر اس کو کیوں واپس کریں؟ یہ نہیں سمجھتے کہ شاید امتحان کے واسطے بھیجا گیا ہو بس اس کا منشا وہی بدگمانی اور تقدیر پر نظر نہ کرنا ہے۔

خرچ کی برکت

اگر انسان تقدیر پر نظر رکھے تو اس کے نزدیک جمع کرنا اور واپس کرنا یکساں ہو جائے بلکہ خرچ کرنے کو زیادتِ رزق کا سبب سمجھے گا تقلیل کا سبب نہ سمجھے گا۔

حضرت رابعہ بصریہؒ کا واقعہ ہے کہ ایک دن ان کے یہاں کچھ مہمان آ گئے گھر میں سوائے دو سوکھی روٹیوں کے کچھ نہ تھا۔ کچھ دیر کے بعد ایک سائل آیا انہوں نے وہ روٹیاں اٹھا کر مسکین کو دیدیں۔ مہمانوں نے دل میں شکایت کی کہ یہی دو روٹیاں کھا لیتے وہ بھی خرچ کر ڈالیں۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص نے آواز دی پوچھا کون ہے؟ کہا فلاں شخص نے آپ کے واسطے کھانا بھیجا ہے آپ نے قبول کیا اور روٹیوں کو گننا شروع کیا تو وہ اٹھارہ تھیں فرمایا کہ یہ کھانا واپس لے جاؤ یہ میرے واسطے نہیں دیا ہوگا کسی دوسرے کو دیا ہوگا لانے والے نے کہا نہیں حضرت آپ کا ہی نام لے کر کہا تھا کہا یہ تو بے حساب ہے

① دل میں یہ کھٹک ہو کہ پتہ نہیں حلال ہے کہ حرام۔

کیونکہ میں نے خدا کی راہ میں دو روٹیاں خیرات کی ہیں اور حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک کے بدلے میں کم از کم دس ملیں گی تو اس حساب سے بیس روٹیاں ہونا چاہئیں اور یہ اٹھارہ ہیں اور میرا محبوب وعدہ خلاف نہیں پس کھانا میرے واسطے نہیں ہوسکتا۔ لانے والے نے کہا کہ حضرت آپ کا حساب صحیح ہے واقعی بیس ہی روٹیاں تھیں دو میں نے چرالی ہیں اور میں ان کو بھی لاتا ہوں آپ کھانا واپس نہ کیجئے، یہ قصہ معلوم کر کے آپ کو اطمینان ہوا اور کھانا رکھ لیا۔

واقعی اہل اللہ کے مال میں تو چوری بھی نہیں چھپتی تو دیکھئے ان بزرگ کا یہ اعتقاد تھا کہ خرچ کرنے سے روزی کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہے اور ایسا پختہ اعتقاد تھا کہ خرچ کرنے کے بعد حساب سے دس گنے کی منتظر رہتی تھیں اور اس میں کمی ہوتی تو واپس کر دیتیں کہ یہ میرے واسطے نہیں ہے۔ کیونکہ بے حساب ہے مگر ہمارا منطقی نفس یوں کہتا ہے کہ یہ جو بعد میں آیا ہے یہ تو آتا ہی کیونکہ مقدر تھا اس کے ساتھ پہلا مال بھی جمع رہتا تو میزان کل بڑھ جاتا۔ مگر یہ غلط ہے اس کے رہنے سے یہ سارا میزان گل[1] ہو جاتا۔ اس لئے ہم کو تقدیر پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اور شبہ کا مال کبھی نہ لینا چاہئے۔ خصوصاً جہاں دعوت قبول کرنے میں علم کی توہین و تذلیل ہوتی ہو وہاں تو ہرگز نہ جانا چاہئے۔

تعظیم علم

کانپور میں جب میرا قیام تھا تو وہاں بھی پہلے یہی قاعدہ تھا کہ طلبہ دعوت میں جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں بھی طلبہ کے ساتھ جا رہا تھا راستہ میں ایک شخص نے مجمع کو دیکھ کر کہا کہ خدا خیر کرے معلوم نہیں آج کس کے یہاں چڑھائی ہے یہ کلمہ میرے دل کے پار ہو گیا اور سخت تکلیف ہوئی، خیر میں نے وہ دعوت تو مصیبت کے ساتھ کھائی۔ مگر وہاں سے آتے ہی یہ قانون مقرر کر دیا کہ طلبہ کسی کے گھر پر دعوت کھانے نہ جائیں گے جس کو دعوت کرنا ہو مدرسہ میں کھانا بھیج دیا کرے۔ کارکنان مدرسہ نے کہا کہ اس قانون سے دعوتوں میں کمی ہو جائے گی اور دعوتوں

[1] سب ختم ہو جاتا ہے۔

سے مدرسہ کو بہت بڑی امداد ملتی ہے۔ میں نے کہا کہ رزاق اللہ تعالیٰ ہیں کانپور والے رزاق نہیں ہیں اور ایسی دعوتوں کا کم ہونا ہی اچھا ہے جن سے اہل علم اور علم کی تذلیل ہوتی ہے۔

بئس المطاعم حين الذل تكسبها القدر مرتفع والقدر مخفوض ①

مگر بحمد اللہ اس قانون سے کچھ کمی نہیں ہوئی۔ اول اول تو لوگوں کو یہ قاعدہ نا گوار ہوا اور کہنے لگے کہ مولوی بڑے دماغدار ہو گئے ہیں کہ ان کے واسطے مدرسہ میں کھانا لاؤ مگر پھر سب لوگ سیدھے ہو گئے اور پہلے سے زیادہ دعوتیں ہونے لگیں کیونکہ پہلے تو جو شخص دعوت کرتا اس کو یہ فکر ہوتی تھی کہ کھانا کم نہ ہو جائے اور بعض مرتبہ عین وقت پر دوبارہ کھانا پکوانا پڑتا تھا اور اب آزادی تھی کہ جتنی جس کو توفیق ہوئی ایک دیگ یا دو دیگ وہ مدرسہ میں بھیج دیں کہ اس کو طلبہ میں تقسیم کر دو اب امیر وغریب سب دعوت کرنے لگے۔

اسی زمانہ میں ایک دفعہ انسپکٹر صاحب نے طلبہ کی دعوت کو کہلا کر بھیجا، معترضین منتظر تھے کہ دیکھیں ان کو کیا جواب ملتا ہے؟۔ آیا ان کے مکان پر طلبہ جائیں گے یا اس سے بھی مدرسہ میں کھانا منگایا جائے گا بہت لوگوں کا یہ خیال تھا کہ آج یہ قانون ٹوٹ جائے گا۔ میں نے مگر ان کو بھی صاف جواب دیدیا کہ طلبہ کسی کے گھر جا کر دعوت نہیں کھا سکتے کیونکہ بعض مصالح سے یہ قانون مقرر کر دیا گیا ہے وہ انسپکٹر بہت اہل تھے انہوں نے کہلا کر بھیجا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے قانون کو توڑا جائے جو مصالح کی بناء پر مقرر کیا گیا ہے لیکن اب مجھے یہ بتلایا جائے کہ اگر کوئی شخص طلبہ کی خدمت کرنا چاہے تو اس کے لیے دوسری صورت کیا ہے؟ میں نے رقعہ میں لکھ دیا کہ اگر آپ دعوت کرنا چاہتے ہیں تو کھانا مدرسہ میں بھیج دیں انہوں نے خوشی کے ساتھ منظور کیا حالانکہ ان کا گھر مدرسہ سے بہت دور تھا مگر وہیں سے انہوں نے دیگیں بھجوائیں اور اپنے ملازموں کو اور ایک لڑکے کو ساتھ بھیجا کہ تم خود طلبہ کو کھانا کھلاؤ اور جس چیز کی ضرورت ہو فوراً اطلاع دو اب لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں کہ یہ قاعدہ غریبوں ہی کے

① ''وہ کھانے برے ہیں جن کے حاصل کرنے میں ذلت پیش آئے ہانڈی چڑھی ہو اور عزت گری ہو''

واسطے نہیں بلکہ اُمراء اور حکام کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے پھر کسی کو یہ قاعدہ ناگوار نہیں ہوا اور سب بے تکلف مدرسہ میں بھیجنے لگے تو صاحبو! حق تعالیٰ رزاق ہیں اگر تم ایک رقم کو شبہ کی وجہ سے واپس کر دو گے وہ دوسری جگہ سے اس سے زیادہ بھیج دیں گے یا وہی رقم اس حالت میں واپس آئے گی کہ اب شبہ نہ رہے گا پھر تم باوجود شبہ اور کھٹک کے تاویل کر کے اس کو کیوں رکھنا چاہتے ہو یہ برا مرض ہے۔

جائز تاویل

ان تاویلوں کو چھوڑ دینا چاہئے مگر میں ہر تاویل سے منع نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے ایک معیار بتلاتا ہوں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ کون سی تاویل جائز ہے اور کون سی ناجائز۔ وہ معیار یہ ہے کہ اگر کسی رقم سے دل میں کھٹک ہو اور اول ہی سے نیت یہ ہو کہ کسی طرح یہ مل ہی جائے اور اس کا لینا جائز ہو جائے اس کے بعد استفتاء کیا جائے تو اب چاہے کتنے ہی فتوے جواز کے آجائیں اس کو ہرگز نہ لو۔ اور اگر اول سے یہ نیت ہو کہ خدا کرے اس کا لینا جائز نہ ہو اس کے بعد استفتاء کیا جائے تو اب اگر فتوے سے اجازت ہو جائے تو لے لو یا کم از کم دونوں جانبین مساوی ہوں نہ لینے کی نیت ہو نہ واپس کرنے کی بلکہ یہ نیت ہو کہ فتوے سے جو ثابت ہو جائے گا ویسا ہی کریں گے۔ تب بھی لینا جائز ہے اگر فتوے سے اجازت ہو جائے مگر یہ تو بہت ہی بے جا حالت ہے کہ اول سے لینے کی نیت ہو اور جس شخص کو اپنی نیت پر اطلاع نہ ہوتی ہو اور اس معیار سے بھی فیصلہ نہ کر سکے تو وہ کسی طرح شیخ محقق سے تعلق پیدا کرے اور اس کو جزئیات احوال کی اطلاع دیا کرے اور اس کے جواب پر عمل کیا کرے محقق کی تعلیم پر عمل کرنے میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے بصیرت حاصل ہو جائے گی یہ تو اہل عمل کے لئے جواب ہے کیونکہ وہ عمل کر کے اس کی تصدیق مشاہدہ سے کریں گے۔

شیخ نورانی

اور اہل فلسفہ کے لئے جواب یہ ہے کہ محقق اپنے جواب میں دلیل کی طرف بھی اشارہ کرے گا جس سے مخاطب کے علم میں روز بروز ترقی ہوگی اس طرح کچھ عرصہ

میں یہ شخص خود صاحب بصیرت اور محقق ہو جائے گا اس کو مولانا فرماتے ہیں۔

شیخ نورانی زرہ آگہ کند در کلامش نور راہ ہمرہ کند ①

اس نور میں وہ دلیل بھی داخل ہے جس کی طرف محقق اشارہ کرتا ہے اور اس نور کا احساس اہل عمل کو اچھی طرح ہوتا ہے پھر چند روز عمل کر کے تو یہ اثر ہوتا ہے کہ

اے لقائے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال ②

پھر سوال کی بھی نوبت نہیں آتی اشکال دل میں لے کر گئے اور محقق کی صورت دیکھ کر سب مشکلیں حل ہو گئیں ہم نے مولانا گنگوہیؒ کے یہاں اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ مجھ کو حضرت سے صرف ایک دو باتیں ہی پوچھنے کی نوبت آئی پھر تو اکثر یہ ہوتا تھا کہ سوالات دل میں لے کر گئے اور پاس بیٹھتے ہی سب حل ہو گئے۔

ہر زمانہ میں ایک دو بزرگ ایسے ضرور ہوتے ہیں کہ جن سے انکار تو انکار عدم تعلق بھی موجب عتاب اور باعث حرمان برکات ہوتا ہے۔ گو عذاب کا سبب نہ ہو۔ میں حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کو ایسا ہی بزرگ سمجھتا ہوں کہ ان سے تعلق نہ ہونا بھی موجب حرمان برکات تھا اور انکار کا تو کیا پوچھنا۔

چنانچہ مولانا کی حیات میں ایک صالح شخص کا انتقال ہوا ان کو خواب میں دیکھا گیا اور پوچھا گیا کیا معاملہ ہوا؟ کہا بخش دیا گیا مگر مولانا گنگوہیؒ سے عدم تعلق پر عتاب ہوا۔ گو عذاب نہیں ہوا مگر اس پر عتاب ہوا کہ ایسے مقبول شخص سے تم کو تعلق کیوں نہیں تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ یا تو اس معیار سے اپنی تاویلوں میں فیصلہ کرو جو اوپر مذکور ہوا اور جو اس معیار سے بھی فیصلہ نہ کر سکے وہ کسی محقق کا دامن پکڑے یہ تو بہت ہی برا ہے کہ مسلمان ہو کر لا دویت ولا تلیت کا مصداق ہو کہ نہ خود محقق ہو نہ محقق کا اتباع کرے۔

آج کل ہماری تاویلوں کی یہ حالت ہے کہ ہم خود جانتے ہیں کہ تاویل ہے مگر اس پر نازاں ہیں کہ ہم نے تاویل سے بات بنالی اور یہ مرض تاویل کا ہمارے اندر سے ابتدائے طالب علمی سے پیدا ہوتا ہے۔ مجھے خود اپنے بچپن کا واقعہ یاد ہے جب کہ میں

① ''شیخ نورانی راہ سلوک سے خبردار کرتا ہے اور اپنے کلام میں نور کو ہمراہ کرتا ہے'' ② ''آپ ایسے بابرکت ہیں کہ آپ کی ملاقات ہر سوال کا جواب ہی ہے اسی سے بلاشبہ ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے''

دیو بند کے مدرسہ میں ابتدائی کتابیں عربی کی پڑھتا تھا۔ اس زمانہ میں ایک دفعہ میرٹھ والد صاحب کے پاس گیا اور اس وقت میرٹھ میں نو چندی کا میلہ تھا۔ میں بھی بچپن کی وجہ سے میلہ دیکھنے چلا گیا جب واپس آیا تو حافظ عبدالکریم صاحب رئیس کے بڑے صاحبزادے شیخ غلام محی الدین صاحب نے دفتر میں مجھے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ نو چندی کے میلہ میں جانا کیسا ہے؟ میں سمجھ گیا کہ اس سوال سے مجھ پر اعتراض مقصود ہے تو بجائے اس کے کہ میں اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا میں نے بات بنائی اور تاویل کے ساتھ جواب دیا کہ نو چندی کے میلہ میں ایسے شخص کو جانا جائز ہے جو کسی وقت مقتدا بننے والا ہے اور اس وقت اس غرض سے جاتا ہے کہ میلہ کے مفاسد معلوم کر لے تا کہ بعد میں جب لوگوں کو اس سے منع کرے تو اس کے مفاسد ان کے سامنے بیان کر سکے اس جواب پر شیخ صاحب موصوف بہت ہنسے۔ کہ مولوی گناہ بھی کرتے ہیں تو اس کو جائز بنا کر۔ خیر یہ تو بچپن کی بات تھی افسوس یہ ہے کہ پچپن سال میں بھی ہماری یہی حالت ہے یہاں تک کہ عوام نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس دین مولویوں کے قبضہ کا ہے جس چیز کو چاہیں یہ حرام کر لیں اور جس چیز کو چاہیں حلال کر لیں۔

لکھنؤ میں ایک طوائف نے جو بڑی مالدار تھی اپنی جائیداد جو بڑی قیمتی تھی مولانا محمد نعیم صاحب کو دینا چاہی اور مولانا کی یہ حالت تھی کہ بہت تنگدستی کے ساتھ گزر ہوتا تھا مگر متقی بزرگ تھے۔ انہوں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا پھر اس نے ایک قومی عربی مدرسہ والوں کو وہ زمین دینا چاہی اہل مدرسہ نے نہ معلوم کیا تاویل کر لی ہوگی۔ انہوں نے وہ جائیداد لے لی۔ اس کا عوام پر یہ اثر تھا کہ لکھنؤ کے شہدے بھی علماء مدرسہ پر ہنستے تھے۔ اور باہم دل لگی کے طور پر کہتے تھے کہ بھائی مولوی محمد نعیم صاحب تو اکیلے تھے وہ ڈر گئے کہ میں اکیلا اس بوجھ کو کیونکر اٹھاؤں گا اس لئے انکار کر دیا اور مدرسہ والے بہت سے ہیں انہوں نے سوچا کہ تھوڑا تھوڑا بوجھ بانٹے آئے گا سب مل کر اٹھالیں گے۔ اس واسطے انہوں نے منظور کر لیا۔

حقیقی تفقہ

میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض علماء مدرسہ نے کسی صحیح تاویل سے اس کو جائز بھی سمجھا ہو تب بھی ان کو اس کا لینا جائز نہ تھا کیونکہ جس مباح سے فساد عوام کا اندیشہ ہو اُس مباح کا ترک واجب ہو جاتا ہے۔ خصوصاً ایسا مباح جس کے کرنے سے دین پر حرف آتا ہو۔

مجھے اس پر اپنے ہم وطن ایک عالم کی حکایت یاد آئی کہ انہوں نے کسی ہندو پر عدالت میں دعویٰ کیا اور جس سب جج کے یہاں دعویٰ تھا وہ بھی مولوی تھے کیونکہ پہلے یہ عہدے علماء ہی کو ملتے تھے تو سب جج نے مولوی صاحب کے موافق ڈگری کی اور مع سود کے جس کی مقدار آٹھ سو روپیہ تھی ڈگری دی مولوی صاحب نے باوجود سخت حاجت کے سود کے لینے سے انکار کر دیا تو سب جج نے کہا کہ مولوی صاحب آپ کیوں نہیں لیتے؟ درّ مختار میں تو لکھا ہے کہ لا ربوا بين المسلم والحربي في دار الحرب①

مولوی صاحب نے کہا کہ میں عوام کو سمجھانے کے لئے درمختار کہاں بغل میں لئے لئے پھروں گا۔ مشہور تو یہی ہوگا کہ مولوی صاحب نے سود لیا۔

صاحبو! یہ علم ہے اور اس کا نام ہے تفقہ کہ اگر کوئی چیز قاعدہ سے جائز بھی ہو مگر اس سے دین پر حرف آتا ہو تو اس کو بھی ترک کر دیا جائے مگر آج کل مدارس میں عموماً اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص کا چندہ بے تکلف لے لیا جاتا ہے۔

یک کا رازیں دوکار

جس کا راز یہ ہے کہ آج کل اہل مدارس نے مخترع② ثمرات کو مطلوب سمجھ رکھا ہے کہ ہمارا مدرسہ بارونق ہو اس میں پانچ سو ہزار طلبہ ہوں پچاس سو مدرس ہوں اور ایسی عمارت ہو اور ہر سال اس میں سے اتنے طلبہ فارغ ہوں اور یہ باتیں بدوں زیادہ رقم کے ہو نہیں سکتیں۔ تو اب ہر وقت ان کی نظر آمدنی پر رہتی ہے اور جہاں سے بھی چندہ آتا ہے رکھ لیا جاتا ہے واپس کرتے ہوئے یہ خیال ہوتا ہے کہ حرام اور مشتبہ مال کو واپس

① ''دار الحرب میں مسلم اور حربی کے درمیان سود نہیں ہوگا'' ② خود ساختہ نتائج

کرنا شروع کریں تو اتنی آمدنی کس طرح ہوگی جو اتنے بڑے کارخانہ کو کافی ہو سکے بس یہی جڑ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے رضائے حق مقصود نہیں۔ اس جڑ کو اکھاڑ پھینکو اور ثمرات① پر ہرگز نظر نہ کرو نہ زیادہ کام کو مقصود سمجھو بلکہ رضائے حق کو مقصود سمجھو چاہے مدرسہ رہے یا نہ رہے۔ اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو پھر دینداری اور علم کا نام مت لو نہ خدا سے محبت کا نام لو۔ افسوس خدا سے محبت اور غیر پر نظر

سرمد گلہ اختصار می باید کرد　　یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن بہ رضائے دوست می باید داد　　یا قطع نظر زیار می باید کرد②

تعیین ثمرات کا نقصان

حضرت مولانا گنگوہیؒ اس قدر مضبوط اور قوی القلب تھے کہ بڑے سے بڑے فتنہ وفساد کے وقت بھی مستقل رہتے اور از جارفتہ نہ ہوتے تھے اس کا راز یہی تھا کہ وہ صرف ایک ذات کی رضا پر نظر رکھتے تھے۔ ثمرات پر نظر نہ کرتے تھے ایک زمانہ میں مدرسہ دیو بند کے خلاف دیو بند میں بڑی شورش تھی اور اہل قصبہ کا مطالبہ وہی تھا جو آج کل ہو رہا ہے کہ ایک ممبر ہماری مرضی کے موافق ممبران مدرسہ میں بڑھا دیا جائے۔ مولانا گنگوہیؒ اس کو منظور نہ فرماتے تھے۔

یہ فتنہ اس قدر بڑھا کہ اس زمانہ میں جو میرا دیو بند جانا ہوا تو مجھے مدرسہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوا میں نے حضرت کو ایک خط لکھا کہ اس وقت اگر شہر والوں کا مطالبہ مان لیا جائے تو مدرسہ کا کچھ نقصان نہ ہوگا کیونکہ مجلس شوریٰ میں کثرت آپ کے خدام کی ہے اور کثرت رائے سے ہی فیصلہ ہوا کرتا ہے اُن کے ایک ممبر کی رائے سے فیصلہ پر کچھ اثر نہیں ہوسکتا اور مطالبہ نہ ماننے میں مجھے مدرسہ کے بند ہو جانے کا اندیشہ ہے تو حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

ہم کو مدرسہ مقصود نہیں رضاء حق مقصود ہے اور نااہل کو ممبر بنانا معصیت ہے جو خلاف رضائے حق ہے۔ اس لیے ہم اپنے اختیار سے ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اس پر

① نتائج کی پروا نہ کرو② سرمدؒ شکوہ شکایت نہ کرنا چاہئے دو کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہئے یا تو تن دوست کی خوشنودی میں دے دینا چاہئے یا دوست سے قطع نظر کر لینی چاہیے"

ہم سے مواخذہ ہوگا۔ اگر اہل شہر کے فتنہ سے مدرسہ بند ہوگیا تو اس کے جوابدہ وہ قیامت میں خود ہوں گے۔ کیونکہ ان کے ہی فعل کا یہ نتیجہ ہوگا ہم سے اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔

الحمد للہ جو بات مجاہدوں سے برسوں میں بھی حاصل نہ ہوتی وہ بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل ایک ساعت میں حاصل ہوگئی حضرتؒ نے اس تحریر میں جس علم کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ بہت بڑا علم ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ ثمرات مقصود نہیں ہیں صرف رضائے حق مقصود ہے نہ مدرسہ مقصود ہے نہ طلبہ کی کثرت مطلوب ہے نہ عمارت مقصود ہے صرف رضاء مطلوب ہے اگر رضائے حق کے ساتھ یہ کام چلتے رہیں تو چلاؤ اور حسب ہمت وطاقت ان میں کام کرتے رہو اور جو کام طاقت سے زیادہ ہو اس کو الگ کرو۔

واللہ! اس علم سے بہت سے پریشان حالوں کی پریشانیاں اور وساوس قطع ہوگئی ہیں اس علم سے اعمال میں کام لے کر دیکھو تو اس کی قدر ہوگی۔ مثلاً کسی کا بچہ بیمار ہوا تو دوا دارو کرو مگر ثمرہ متعین نہ کرو کہ یہ اچھا ہی ہو جائے بلکہ معالجہ محض رضائے حق کے لئے کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کا یہ حق رکھا ہے کہ بیماری میں ان کی خدمت کرو علاج کرو ثمرہ پر نظر نہ کرو۔ اسی طرح مدرسہ جاری کرو اور رضائے حق پر نظر رکھو یہ ثمرہ متعین نہ کرو کہ ہمارا مدرسہ ایسا ویسا ہونا چاہئے۔ یہ دُھن کہاں کی لگائی، یہ دُھن نہیں بلکہ گھن① ہے پھر وہ جس حال میں راضی رہیں تم خوش رہو ایسے ہی ذکر شغل میں لگو تو رضائے حق پر نظر رکھو لذت وشوق وغیرہ کو مطلوب نہ سمجھو اگر قبض② ہو تو خوش رہو بسط③ ہو تو خوش رہو کیفیات نہ ہوں تو خوش رہو کیفیات ہوں تب خوش رہو بتلایئے اس شخص سے زیادہ مستقل مزاج کون ہوگا جس کی حالت یہ ہے کہ

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو — دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو④

اور جس کی حالت یہ ہے کہ۔

---

① وہ کیڑا ہے جو لکڑی کو کھا جاتا ہے اسی طرح یہ دھن حقیقت مدرسہ کو کھا جائے گی ② طبیعت میں گھٹن ہو تو خوش رہو ③ فرحت ہو تو خوش رہو ④ ''زندہ کریں یہ آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں تو آپ پر فدا ہوں دل آپ پر فریفتہ ہے جو کچھ کریں میں آپ سے راضی ہوں''

نا خوش تو خوش بود بر جان من دل فدائے یار دل رنجان من (۲)

پس جس حال میں وہ راضی رہیں اُسی میں خوش رہو۔

اس پر شاید کوئی فلسفی یہ سوال کرے کہ اگر وہ بے ایمان رکھنے میں راضی رہیں تو کیا اس پر بھی خوش رہے؟ تو یہ اگر ایسا ہے جیسے قاضی ابو یوسفؒ کے مجلس املاء میں ایک شاگرد بالکل خاموش تھا امام نے فرمایا تم بھی کچھ پوچھا کرو اس کے بعد امام نے مسئلہ بیان کیا کہ یقینی غروب کے بعد پھر افطار میں تاخیر کرنا مکروہ ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ کیوں حضرت! اگر کسی دن آفتاب غروب ہی نہ ہو تو روزہ کب افطار کرے؟۔ امام نے فرمایا بس تم خاموش رہو۔ تمہارا سکوت ہی اچھا تھا۔ میں نے خواہ مخواہ تم سے کہا کہ تم بھی سوال کیا کرو۔

واقعی بعض لوگوں کا نہ بولنا ہی بہتر ہوتا ہے جیسے ایک بہو تھی جس کی ماں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ ساس کے گھر جا کر زبان سے ایک حرف نہ نکالنا، خاموش ہی رہنا۔ چنانچہ وہ ہر وقت چپ رہتی، ساس نے ہر چند چاہا کہ یہ بھی کچھ بولے بات کرے مگر وہ کچھ نہ بولتی تھی۔ ایک دن ساس حسرت سے کہنے لگی کہ میری بہو تو بہت اچھی ہے صورت وسیرت سب بہتر ہے مگر بس اتنی کسر ہے کہ بولتی نہیں ہے، بہو نے کہا مجھے میری اماں نے بولنے سے منع کر دیا ہے۔ اس لئے میں نہیں بول سکتی ساس نے کہا کہ تمہاری اماں پاگل ہے، بیٹی بہو کے بولنے بات کرنے ہی سے گھر میں رونق ہوتی ہے۔ تم ضرور بات چیت کیا کرو۔ بہو نے کہا اچھا بولوں تو تم برا تو نہیں مانو گی؟ ساس نے کہا میں کیوں برا مانتی میں تو اللہ سے چاہتی ہوں کہ تو بولے، کہا میں یہ پوچھتی ہوں کہ اگر تمہارا لڑکا مرجائے تو تم میرا دوسرا بیاہ بھی کر دو گی یا یوں ہی بٹھائے رکھو گی۔ ساس نے کہا بیٹی! واقعی تیری ماں کی رائے درست تھی اور میری رائے غلط تھی تیرا خاموش ہی رہنا بہتر ہے، تو بولنے کے لائق نہیں۔

اسی طرح میں اس سائل سے کہتا ہوں کہ تمہارا خاموش ہی رہنا بہتر ہے یہ بھی

(۲) ''محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کے خلاف اور ناخوش ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے میں اپنے یار پر جو میری جان پر رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں''

کوئی سوال کی بات ہے کہ اگر وہ بے ایمان رکھنے پر راضی ہوں آخر وہ بے ایمان رکھنے پر کیوں راضی ہوں گے وہ تمہیں کیوں کافر بنانا پسند کریں گے؟ اس کی کوئی وجہ بھی جبکہ صاف ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ① معلوم ہوا کہ رضا کا تعلق کفر سے ہو ہی نہیں سکتا۔ پس یہ اگر لغو ہے اور اس کے بعد ایسے سارے اگروں کا جواب یہ ہے کہ ہاں اگر وہ اس پر راضی ہوں تو تم اس میں بھی راضی رہو جس حال میں بھی رضا کے ساتھ رکھیں راضی رہو پھر اب رضا کی مقصودیت کے بعد یہ وسوسہ کیوں ہے کہ مشتبہ مال کے واپس کرنے سے مدرسہ کا چندہ کم ہو جائے گا اور فلاں بات کے نہ ماننے سے مدرسہ ٹوٹ جائے گا اور یہ فکر کیوں ہے کہ مدرسہ کی آمدنی کس طرح بڑھانا چاہئے کیا تدبیر کرنا چاہئے؟ ارے چھوڑو! اس فکر کو تم نے یہ گھن کہاں کا لگایا تم سے فکر کرنے کو کس نے کہا ہے؟ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے تمہارے کئے سے کچھ نہ ہوگا۔ بس خدا پر نظر کر کے بے فکر رہو اور خوش رہو اور چین سے بیٹھو۔

حریفاں ہلا کے پرستی کنید بنوشید جو شید و مستی کنید ②

فکر لذیذ

ہاں ایک فکر البتہ لذیذ ہے وہ جان کو لگاؤ یعنی فکر آخرت اور واللہ میں قسم کھاتا ہوں اور پھر قسم کھاتا ہوں یہ فکر اگر پیدا ہوگئی تو ساری فکریں کم ہو جائیں گی۔ یہ عصائے موسیٰ ہے جو اژدہا بن کر سب سانپوں کو نگل جائے گا اور جس کی جان کو دوسری فکریں لگی ہوئی ہیں واللہ اس کو اس فکر کی ہوا بھی نہیں لگی ورنہ اس فکر کی تو مستی ایسی ہے جو دنیا بھر سے یک سو کر دیتی ہے۔

خود قوی تری شود خمر کہن خاصۂ آں خمر یک باشد من لدن ③

① ''وہ اپنے بندوں سے کفر پر راضی نہیں'' سورۃ الزمر: ۷ ② ''دوستو ضرور مے پرستی کرو (یعنی عشق محبوب حقیقی اختیار کرو) پیو اور جوش و خروش میں آؤ اور مستی کرو'' ③ ''پرانی شراب میں خود تیزی بڑھتی جاتی ہے خاص کر وہ شراب جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہو''

ثمراتِ خانہ ساز

اسی لئے حق تعالیٰ نے اول تو مسلمانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ مرتے وقت یا مرنے سے پہلے اپنے مال کے متعلق وصیت کردے کہ کس کو کتنا دیا جائے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ ①

یہ ابتدا میں حکم تھا کہ جب عامۃ المسلمین کے قلوب میں یکسوئی کم تھی اور وہ تعلقات سے گھبراتے نہ تھے پھر جب نورانیت زیادہ ہوئی اور تعلقات وافکار سے اُن کا دل گھبرانے لگا تو اس وقت یہ حکم نازل ہوا کہ تم اپنے بعد کی فکر نہ کرو ہم اس کا انتظام خود کئے دیتے ہیں اور آیت میراث نازل ہوئی۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ الآية ②

مسئلہ میراث کا حاصل یہی ہے کہ تم مرنے کے بعد کی فکر نہ کرو تو اس میں بڑی راحت کی تعلیم ہے کہ تم پاؤں پھیلا کر سو رہو ہم تمہاری جائیداد وغیرہ کو اقارب میں خود مناسب طور پر تقسیم کردیں گے تم بے فکر رہو چنانچہ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ③

میں اس کی تصریح ہے۔ افسوس! ایسی راحت کا تو حکم اور آج کل بہت لوگ وقف علی الاولاد کو اس پر ترجیح دیتے ہیں۔ منشاء اس کا یہ ہے کہ یہ لوگ مسئلہ میراث کو خلاف حکمت سمجھتے ہیں کہ اس سے جائیداد کا تجزیہ اور حصے بخرے ہو جاتے ہیں جس سے کچھ دنوں میں زمینداری جاتی رہتی ہے۔

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک رئیس کے سوال پر فرمایا تھا کہ مسئلہ میراث کو خلاف حکمت سمجھ کر وقف علی الاولاد کرنا کفر ہے۔ شیطان اسی واسطے کافر ہوا تھا

---

① ''تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو کچھ کچھ بتلا دے والدین کے لیے'' سورۃ البقرۃ: ۱۸۰ ② اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے'' ③ ''تمہارے اصول وفروع جو ہیں تم پورے طور پر نہیں جان سکتے کہ ان میں کون سا شخص تم کو نفع پہچانے میں نزدیک تر ہے'' سورۃ النساء: ۱۱

کہ اس نے حکمِ خداوندی کو خلاف حکمت سمجھا تھا۔ خداوند تعالیٰ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی قبر کو ٹھنڈا کرے کہ اُن کی اس بات کا یہ اثر ہوا کہ بعد میں جو شبلی نے دوبارہ پریوی کونسل میں اس کے لئے کوشش کی اور علماء سے وقف علی الاولاد کے جواز پر دستخط کرائے تو میں نے اس پر دستخط نہ کئے اس وقت مجھے مولانا کا یہ مقولہ یاد آ گیا بڈھے کی بات جوان تھی کہ اس نے میری دستگیری کی ورنہ میں بھی دوسرے علماء کی طرح اس پر دستخط کر دیتا۔

میں کہتا ہوں کہ تم جو وقف علی الاولاد کو جو مسئلہ ظنیہ ہے مسئلہ میراث پر جو قطعی ہے ترجیح دیتے ہو تو اس کا بڑا سبب اولاد کے لئے اپنے بعد کا انتظام ہے سو اول یہی ثابت کر دو کہ اولاد کے لئے اپنے بعد کا انتظام کرنا مطلوب ہے، اس پر کوئی دلیل قائم نہیں بلکہ مشائخ کا تو اس میں خاص مذاق ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوسؒ نے وصیت کی ہے کہ اپنے بعد کے لئے اولاد کی فکر فضول ہے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ صالح ہوں گے تو صلحاء کو حق تعالیٰ ضائع نہیں کریں گے یا بد ہوں گے تو خدا کے نافرمانوں کے لئے تم نافرمانی میں معین کیوں بنتے ہو۔ اس فکر اولاد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابھی ایک شخص کا انتقال ہوا ہے جو ساری عمر موروثی کاشت کی آمدنی کھاتا رہا۔ میں نے خاص اپنے ایک معتمد کی معرفت مرتے ہوئے اسے نصیحت کی کہ اب تمہاری عمر ختم ہوگی دنیا میں اب تم کو رہنا نہیں۔ اس لئے اس وقت تو موروثی زمین چھوڑ دو اور سب سے استعفاء داخل کر دو کہا میرے بچے کہاں سے کھائیں گے؟ میرے سفیر نے کہا بچوں کے رازق تم نہیں ہو خدا رازق ہے وہ ان کے لئے کوئی دوسری صورت پیدا کر دے گا۔ اور جس اولاد کا تم خیال کر رہے ہو وہ قیامت میں تمہارے کام نہ آئے گی۔ اپنے ہی عمل کام آئیں گے اگر تم نے موروثی زمین کا قبضہ نہ چھوڑا تو مرنے کے بعد عذاب کا اندیشہ ہے کہا اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے میں توبہ کرلوں گا معاف کر دیں گے۔ سفیر نے کہا توبہ سے حق العباد معاف نہ ہوگا۔ کہا اللہ تعالیٰ بندوں سے بھی معاف کرا دیں گے غرض ظالم نے نہیں مانا اور اولاد کی فکر میں اپنی گردن پر بوجھ لے گیا خبر نہیں اب کیا گزرتی ہوگی۔ ان سب باتوں کا منشاء وہی ہے کہ رضائے خلق کو رضائے حق پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور ثمرات خانہ ساز پر نظر کی جاتی ہے۔ رضائے حق پر نظر نہیں ہے۔

نفع متعدی کا دھوکہ

اسی کا یہ اثر ہے کہ علماء بھی گناہوں میں تاویلیں کرتے ہیں اور مشائخ بھی تاویلیں کرتے ہیں پھر عوام کا تو کیا پوچھنا۔ حیرت تو علماء پر ہے اور ان سے بڑھ کر مشائخ پر۔ کیونکہ عارفین کا اصل مذاق تو یہ ہے کہ وہ ثمرات آخرت پر بھی نظر نہیں کرتے۔ مگر یہ اُنہی حضرات کا درجہ تھا ہم کو ثمرات آخرت سے استغنا① نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اول تو یہ دعویٰ بہت بڑا ہے (ہم اس کے اہل نہیں اور وہ حضرات اہل تھے کیونکہ وہ اپنے کو فنا کر چکے تھے وہ دعویٰ سے پاک تھے)، دوسرے یہ کہ وہ حضرات تو افکار سے خالی ہو کر ذکر اللہ سے بھر گئے تھے ان کے قلب میں حق تعالیٰ کا ذکر وفکر بھرا ہوا تھا اور ہمارا قلب ابھی تک ذکر وفکر حق سے پُر نہیں ہوا۔ اگر ہم نے ثمرات آخرت کی فکر بھی دل سے نکال دی تو بالکل کورے ہی رہ جائیں گے۔ اور یہ حالت سخت خطرناک ہے دل کو خالی نہ چھوڑنا چاہئے۔ اگر ذکر حق سے پُر نہ ہو تو مباحات سے ہی پُر رکھو۔ ورنہ میدان خالی دیکھ کر شیطان قبضہ جمالے گا۔ تو خیر آج کل کے مشائخ اگر ثمرات آخرت سے قطع نظر نہ کر سکیں تو کم از کم ثمراتِ دنیا سے تو قطع نظر کر لیں کہ یہ تو اس طریق میں قدم رکھنے کی شرط اول ہے مگر افسوس ان کی نظر بھی ثمراتِ دنیا پر ہی ہے اور اس کے لئے وہ تاویلیں کرتے رہتے ہیں چنانچہ بعض مشائخ کو اپنا مجمع بڑھانے کی فکر ہوتی ہے اور اس کے لئے تدابیر کرتے ہیں اور تاویل یہ کر لی ہے کہ ہمارا مجمع زیادہ ہوگا تو مخلوق کو نفع زیادہ ہوگا۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ گھڑ لیا ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے افضل ہے②۔

نفع لازم اور نفع متعدی میں افضلیت کا معیار

صاحبو! یاد رکھو کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ یہ قاعدہ اس شخص کے لئے ہے جو نفع لازمی سے فارغ ہو گیا ہو اور نفع متعدی میں مشغول ہونا اس کے لئے نفع لازم میں خلل انداز③ نہ ہوتا ہو، اور جس کی یہ حالت نہ ہو اس کے لئے نفع لازمی نفع متعدی

① بے نیازی ② وہ کام جس کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچے اس کام سے بہتر ہے جس کا فائدہ صرف اپنی ذات کو ہو ③ رکاوٹ کا باعث نہ ہو۔

سے افضل ہے۔ دیکھو امامت نفع متعدی ہے اور اقتداء نفع لازمی ہے تو اب بتلاؤ کیا ہر شخص کے حق میں امامت افضل ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ایسے تھوڑے افراد ہیں جن کے واسطے امامت افضل ہو زیادہ وہی ہیں جن کے واسطے مقتدی ہی بننا افضل ہے۔ اور دیکھو تعلیم دینا نفع متعدی ہے اور پڑھنا نفع لازم ہے تو کیا ہر شخص کے لئے پڑھانا افضل ہے پڑھنے سے ہرگز نہیں بلکہ پڑھانا اسی کے واسطے افضل ہے جو پڑھنے سے پوری طرح فارغ ہو چکا ہو اور اس کو اساتذہ کہہ دیں کہ اب تم اس لائق ہو کہ دوسروں کو پڑھاؤ اور جو خود ہی پڑھ رہا ہے ہنوز① فارغ نہیں ہوا وہ ہرگز دوسروں کو پڑھانے کے لائق نہیں اور نہ اس کے واسطے تعلیم و تدریس افضل ہیں یہ کلیہ غلط ہو گیا کہ نفع متعدی نفع لازمی سے افضل ہے اور جن لوگوں کے حق میں نفع متعدی افضل ہے وہ بھی اس لئے نہیں کہ نفع متعدی نفع لازم سے فی نفسہٖ افضل ہے بلکہ اس لئے افضل ہے کہ اس کے نفع متعدی سے بہت سے لوگ نفع لازم میں مشغول ہوں گے یعنی اپنی اصلاح و تکمیل کریں گے پس نفع متعدی میں فضیلت اسی واسطے ہے کہ وہ نفع لازم کا ذریعہ ہے اسی لئے جس وقت نفع متعدی سے نفع لازم کا ذریعہ ہونے کی امید نہ ہو اس وقت نفع متعدی کے ترک کا حکم ہے۔ حدیث میں ہے۔

حتی اذا رایت شحًا عاد هوی متبعا و دنیا موثرة واعجاب کل ذی رائی برایه فعلیك بخاصة نفسك ودع امر العامته۔②

اگر نفع متعدی میں خود فی نفسہٖ فضیلت ہوتی تو نفع لازم کے عدم ترتب سے اس کو کیوں بند کیا جاتا۔ دوسرے نفع متعدی میں مشغول ہونے کے بعد نفع لازم میں مشغول ہونے کی ضرورت ہی نہ رہتی، کیونکہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی کیا ضرورت ہے؟ مگر نصوص شاہد ہیں کہ نفع لازم سے کسی وقت کسی کو بھی استغنا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو افضل الخلق میں حکم ہے۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ③

---

① ابھی تک ② ''جس وقت لوگوں میں حرص اور خواہش نفسانی کا تابع اور دنیا کو مختار اور ہر شخص کو اپنی رائے کا پسند کرنے والا دیکھو بس اس وقت خاص اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو جاؤ اور عامہ کو ترک کر دو'' مسند أحمد ۲/ ۳۱۵، الترغیب والترہیب: ۲/ ۳۹۳، اتحاف: ۵/ ۵) ③ سورہ الم نشرح: ۷۔۸

کہ تبلیغ سے فارغ ہو کر اپنے کام میں محنت کیجئے اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جایئے ۔ اور اہل طریق کا اجماع ہے کہ جو شخص دوسروں کی تربیت کرتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ ایک وقت اپنے لئے یکسوئی اور خلوت کا ضرور مقرر کرے ورنہ نسبت مع اللہ ضعیف ہو جائے گی معلوم ہوا کہ اصل مقصود نفع لازم ہے اور نفع متعدی مقصود نہیں بلکہ مقصود کا ذریعہ ہے خوب سمجھ لو اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں۔ بعض سالکین اس نیت سے ذکرو شغل کرتے ہیں تاکہ اپنی تکمیل کے بعد مخلوق کی اصلاح کریں گے۔ یاد رکھو یہ خیال طریق میں راہزن ① ہے اور اس نیت کے ساتھ کچھ حاصل نہ ہوگا، ابھی سے بڑے بننے کا شوق ابھی پوری طرح بیٹے تو بنے نہیں اور باپ بننے کی فکر ہونے لگی کے آمدی و گے پیر شدی②

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی | تا راہ بیں نہ باشی کے راہبر شوی
در مکتب حقائق پیشِ ادیب عشق | ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی③

علماء بھی نفع متعدی کی افضلیت کے مسئلہ سے دھوکہ میں ہیں، واعظین سمجھتے ہیں کہ بس ہم کو کچھ محنت کرنے کی ضرورت نہیں تمام سامعین کی گٹھڑیاں قیامت میں ہم کو ہی مل جائیں گی جی ہاں! دیکھنا کیسی ملتی ہیں اسی طرح اہل مدارس دھوکہ میں ہیں کہ بس ہم مدرسہ کی خدمت کر رہے ہیں جس سے نفع متعدی ہے یہی ہم کو کافی ہے اور کچھ ضرورت نہیں۔

ضرورت نظر صحیح

صاحبو! یہ بہت بڑا دھوکہ ہے جس کا منشا یہ ہے کہ سب نے نفع متعدی کو مطلقاً افضل و مقصود سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ کلیہ نہیں جیسا کہ میں نے تفصیلاً بتلا دیا۔ رہا یہ کہ پھر ہم کو کیسے معلوم ہو کہ اس وقت ہمارے لئے نفع متعدی میں مشغول ہونا افضل ہے اور اس وقت نفع لازم ہی میں اشتغال ضروری ہے اور نفع متعدی میں مشغول ہونا مضر ہے تو اس کے لئے نظر صحیح کی ضرورت ہے یا تو نظر صحیح پیدا کرو ورنہ کسی صاحب نظر کا دامن پکڑو اور

① ڈاکو ہے ② ابھی تو راہ سلوک میں قدم ہی رکھا ہے ابھی پیر بننے کا شوق چڑھ آیا ہے ③ ''اے بے خبر کوشش کر کہ خبردار ہو جائے جب تک تو راستہ دیکھنے والا نہ ہوگا راہبر کیسے بن سکتا ہے۔ اے لڑکے حقائق کے مدرسہ میں ادیب عشق کے سامنے سعی و کوشش کر کہ کسی روز باپ (مصالح) بھی ہو جائے گا''

اس کے تابع ہو جاؤ اور اس سے ہر موقع پر استفتاء کرو، واللہ اس کی سخت ضرورت ہے نظر صحیح بھی یوں ہی پیدا ہوگی بدوں اس کے بہت کم پیدا ہوتی ہے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ جو شیخ صاحب نظر صحیح ہو وہ بھی اپنے واسطے کسی کو شیخ تجویز کرے کہ اپنے احوال خاصہ میں اس کی رائے سے عمل کیا کرے اپنی رائے سے عمل نہ کرے کیونکہ اپنے حالات و واقعات میں اپنی نظر تو ایک ہی پہلو پر جاتی ہے اور دوسرے کی نظر ہر پہلو پر جاتی ہے اور جس شیخ کو کوئی دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کیا کرے۔ اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رہے گا۔

جب میں مشائخ کے لئے بھی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا بڑا بنائیں اور اپنے معاملات خاصہ میں محض اپنی رائے سے عمل نہ کیا کریں تو غیر مشائخ کے لئے تو اس کی ضرورت بہت زیادہ ہے پس ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے سے اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھ لے اور اس پر کفایت کر لے اور مبتدیان سلوک اور متوسطین کے لئے تو یہ بہت ہی مضر اور سدِّ راہ① ہے ان کا تو یہ مذاق ہونا چاہئے۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد②

بہر حال بعض مشائخ اپنا مجمع بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں اور اس میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہمارا مجمع زیادہ ہوگا تو مخلوق کا نفع زیادہ ہوگا۔ سو میں نے بتلا دیا ہے کہ وہ دھوکہ میں ہیں۔

علامت اخلاص

اور یہ گفتگو اس وقت ہے جب کہ اس تاویل کو تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی وہ اسی نیت سے مجمع بڑھانے کی فکر کرتے ہیں تا کہ مخلوق کو نفع ہو اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تاویل بھی فاسد ہے اگر ان کو نفع خلق مطلوب ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اُن سے زیادہ کامل آجائے جس سے نفع خلق کی زیادہ امید ہے تو یہ حضرت شیخ اپنی مسند کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں اور لوگوں سے صاف کہہ دیں کہ اب میری ضرورت نہیں رہی۔

① نقصان دہ اور راستہ کی رکاوٹ ہے ② ''احمد رحمہ اللہ تعالیٰ تو عاشق ہے مشیخت سے تجھ کو کیا کام تو محبوب کا دیوانہ ہو جا سلسلہ ہو ہو نہ ہو نہ ہو''

فلاں بزرگ کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ کامل ہیں۔ مگر وہ لوگ جو نفع خلق کی تاویل سے اپنا مجمع بڑھا رہے ہیں ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں کہ ان کی بستی میں دوسرا بزرگ اسی کام کا کرنے والا آجائے تو یہ اس کام کو اس کے حوالے کر کے خود دوسرا کام سنبھالیں؟ ہرگز نہیں۔ اب تو یہ حالت ہے کہ خانقاہ والے دوسری خانقاہوں کو نہیں چاہتے اور مدرسہ والے دوسرے مدارس کو نہیں چاہتے، واعظین دوسرے واعظین کو نہیں چاہتے پھر یہ کیا اخلاص ہے اس حالت کو دیکھ کر بعضے دردمند بے ساختہ دربار رسالت ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح فریاد کرتے ہیں۔

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق مغرب خراب ①

اے اللہ! جب علماء و مشائخ کی یہ حالت ہے تو اب عوام کی اصلاح کیونکر ہو۔ افسوس ماٹ کا ماٹ ② ہی خراب ہے۔

ظَهَرَ ٱلْفَسَادُ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي ٱلنَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ ٱلَّذِي عَمِلُوا۟ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ③ خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ انکو چکھاوے تا کہ وہ باز آجاویں۔

مسلمانو! سنبھلو اور اپنی حالت کو سنوارو کہ ہم راستہ سے بہت دور پہنچ گئے ہیں اور سب سے زیادہ ضرورت علماء و مشائخ کو اپنی اصلاح کی ہے کیونکہ ان کی اصلاح پر عوام کی اصلاح موقوف ہے۔ پہلے بزرگوں کی یہ حالت تھی کہ جب ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا اور پہلے یہ سہ دری یہاں بنی ہوئی نہ تھی۔ یہ حضرت میاں جی صاحب قدس سرہٗ کے حکم سے بنی ہے تو حاجی صاحب کے یہاں بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں ایک بزرگ حسن شاہؒ رہتے تھے، وہ صاحب سماع تھے مگر سچے آدمی تھے، دوکاندار نہ تھے جب انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب شیخ بستی میں کامل آگیا ہے۔ اس کے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں وہ جنگل

① اے نبی ﷺ جو مدینہ میں محو خواب ہیں اٹھئے کہ مشرق و مغرب میں خرابی پھیل رہی ہے ② نیل کا پورا حوض کا حوض ہی خراب ہے ③ ''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ انکے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھا دے تا کہ وہ باز آجائیں'' سورہ روم: ۴۱

میں جا بسے اور وہیں زندگی کے دن پورے کر دیئے۔ واللہ! میں تو اس ادا کا عاشق ہوں، افسوس اب ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں۔

اسی طرح جب حضرت شیخ شمس الدین ترکؒ پانی پتی اپنے شیخ علی احمد صابرؒ کے حکم سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ بوعلیؒ قلندر پہلے سے موجود تھے انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدینؒ کے پاس بھیجا، شیخ شمس الدینؒ نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا۔ لوگ اس رمز کو نہ سمجھے تو انہوں نے قلندر صاحبؒ سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی؟ فرمایا کہ میں نے شیخ شمس الدینؒ سے یہ کہا تھا کہ پانی پت میرے اثر سے ایسا بھرا ہوا ہے جیسے یہ کٹورا پانی سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں آپ یہاں فضول تشریف لائے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں یہاں اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے کہ پانی کی جگہ کو نہیں گھیرتا یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہ کروں گا۔

اس کے بعد شاہ بوعلی قلندرؒ خود ہی بستی چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے گویا حضرت شیخ شمس الدینؒ کو اجازت دیدی کہ تم جس طرح چاہو تصرف کرو۔ اب ہماری ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسرا صاحب کمال آ گیا ہے۔

صاحبو! ہمارے اندر یہی باتیں تو نہیں رہیں بلکہ اس کے بجائے ہمارے اندر تخرب اور گروہ بندی کا مرض آ گیا ہے اگر ہم کو نفع خلق مقصود ہوتا تو دوسرے نفع پہنچانے والوں سے انقباض نہ ہوتا۔ بلکہ خوشی ہوتی کہ اچھا ہوا اس نے میرے اوپر سے بوجھ ہلکا کر دیا۔ اب میں دین کا کوئی دوسرا کام کروں جس کو کوئی نہ کر رہا ہو۔ نیز اگر نفع خلق مقصود ہوتا تو جس شخص کے ہاتھ سے بھی دین کا نفع پہنچتا ہم اس سے خوش ہوتے اگرچہ وہ ہمارے بزرگوں سے بعض مسائل فرعیہ میں اختلاف ہی رکھتا ہوتا کیونکہ مسائل فرعیہ میں اختلاف تو اہل حق میں ابتداء سے چلا آ رہا ہے کوئی نئی بات نہیں مگر ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہمارے بزرگوں سے کسی عالم کو کسی مسئلہ میں بھی اختلاف ہو تو چاہے اُس سے دین کا فیض ہمارے بزرگوں سے بھی زیادہ ہو رہا ہو اُس سے خوش نہ ہوں گے اور نہ اس کے مرنے پر حسرت و رنج ہوتا ہے بلکہ کسی درجہ میں خوشی ہی ہوتی ہے میں کہاں تک

معیارات بیان کروں۔ اگر ہمارے اندر دین ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ ان کسوٹیوں پر نہیں کسا جاتا۔ بس جہاں تک اپنی حالت میں غور کرتے ہیں، حسرت ① ہی ہوتی ہے اور زیادہ حسرت اس کی ہے کہ حسرت بھی پوری طرح نہیں ہوتی۔

صاحبو! یہ سب آثار اسی کے ہیں کہ ہم لوگ رضائے خلق کو رضائے حق پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ بڑا مرض ہے جو شرک کا شائبہ ② ہے کیونکہ اس سے ریاء پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ ریاء کی حقیقت مقصودیت خلق ③ ہے اور جو شخص رضائے حق ④ کا طالب ہوگا اس سے زیادہ مقصودیت خلق کس میں ہوگی؟ پس ریاء بھی اسی مرض کی فرع ⑤ ہے اور ریاء کو حدیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

درجات توحید مطلوب

کیونکہ توحید مطلوب کے مختلف درجات ہیں ایک توحید اعتقادی ہے کہ حق تعالیٰ کو ذات وصفات میں واحد و یکتا سمجھنا اس درجہ کا عنوان لا معبود الا اللہ ⑥ ہے اور بحمد اللہ یہ درجہ توحید کا سب مسلمانوں کو حاصل ہے اس کا مقابل شرک اعتقادی ہے اس شرک سے تو سب مسلمان محفوظ ہیں اور ایک توحید قصدی ہے کہ حق تعالیٰ کو قصد میں بھی یکتا واحد سمجھے کہ بجز حق تعالیٰ کے کسی چیز کو مقصود و مطلوب نہ بنائے اس درجہ کا عنوان لا مقصود الا اللہ ہے۔ ⑦

اس درجہ میں بہت لوگ کوتاہی کر رہے ہیں جیسا اوپر معلوم ہوا اور اس درجہ توحید کا مقابل شرک قصدی ہے یعنی غیر حق کو مطلوب و مقصود بنانا اور اسی شرک کا ایک فرد ریاء بھی ہے اور یہ دونوں درجے توحید کے مطلوب ہیں اور ایک تیسرا درجہ اور ہے مگر وہ توحید مطلوب کا کوئی درجہ نہیں ہے گو عام طور پر لوگ اس کو توحید ہی کا درجہ سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے بلکہ وہ ان درجات توحید کا ذریعہ اور سبب ہے کہ اس سے ان درجات مطلوبہ کے حصول و کمال میں سہولت ہو جاتی ہے۔ وہ خود مقصود نہیں۔ اُس کا نام توحید

---

① افسوس ہی ہوتا ہے ② اس میں شرکِ خفی کا شبہ ہے ③ ریاء سے مقصود مخلوق کی خوشنودی ہوتی ہے ④ مخلوق کی خوشنودی کا طالب ⑤ اسی کی شاخ ہے ⑥ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ⑦ سوائے اللہ کے کوئی مقصود نہیں۔

وجودی ہے یعنی حق تعالیٰ کو وجود میں واحد و یکتا سمجھنا جس کا اثر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کے وجود کا اثر اس کی طبیعت پر نہ ہو جس سے خوفاً یا رجاء① متاثر ہو جائے بلکہ بجز وجود حق کے سب کے وجود سے قطع نظر ہو جائے اور یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی موجود اس قابل نہیں جس سے خوف و رجاء کو متعلق کیا جائے جیسے کوئی شخص کلکٹر صاحب کا مقرب ہو جائے تو اب وہ باورچی اور سپاہی اور خانساماں سے متاثر نہ ہوگا۔ اب اس پر خانساماں اور سپاہی کا وہ اثر نہیں ہوتا جو پہلے تھا کہ ان سب سے ڈرتا اور ان کی خوشامد کرتا تھا اب وہ بجز کلکٹر کے کسی ماتحت سے نہ ڈرے گا۔ نہ کسی کی خوشامد کرے گا۔ اسی کو شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش — چہ فولاد ہندی نہی بہ سرش
امید و ہراسش نہ باشد ز کس — ہمیں است بنیاد و توحید بس②

حقیقت وحدت الوجود

اس توحید کا عنوان لا موجود الاّ اللہ③ ہے اسی کو وحدت الوجود کہتے ہیں مگر یہ شرعاً نہ مامور بہ ہے اور نہ اس کو توحید کہا گیا ہے نہ اس کے عدم کو شرک کہا گیا ہے جیسے ریاء کو شرک کہا گیا ہے۔ اسی لئے اس کو توحید کا درجہ سمجھنا غلط ہے۔ باقی اصطلاح میں کوئی نزاع نہیں مطلب یہ ہے کہ شرعاً جو توحید مطلوب و مامور بہ ہے وہ دو ہی درجے ہیں ایک درجہ ایمان میں دوسرا درجہ عمل میں توحید وجودی توحید مامور بہ نہیں ہے④ ہاں توحید مطلوب کی معین ضرور ہے کہ اس سے توحید اعتقادی و توحید قصدی کا حصول و کمال سہل⑤ ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں کہ اس کے بغیر توحید کامل ہی نہ ہو سکے نہیں نہیں توحید اس کے بغیر بھی کامل ہو سکتی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ نصوص پر عمل کرنے سے کوئی صوفی ہی نہ ہو حالانکہ تصوف کچھ اسی پر موقوف نہیں۔ میں تو یہ ضرور کہوں گا کہ غیر صوفی مؤمن کامل نہیں ہوتا مگر اسی کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ صوفی ہونا وحدۃ

---

① امید اور خوف کے درجہ میں۔ ② ''مؤحد کے قدموں کے نیچے خواہ زر بکھیر دیں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں امید و خوف اس کے سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے''③ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے ④ یہ اعتقاد رکھنا کہ وجود ایک ہی ہے اس کا کہیں حکم نہیں دیا گیا⑤ آسان

الوجود① پر موقوف نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی تصوف حاصل ہوسکتا ہے۔ ہمارے نزدیک بہت سے علماء محققین خصوصاً آئمہ مجتہدین سب صوفی تھے کیونکہ تصوف سے جو مقصود ہے وہ ان کو علی وجہ الکمال حاصل تھا حالانکہ وحدۃ الوجود کا غلبہ ان پر نہ تھا۔ غلبہ وحدۃ الوجود سے اصل مقصود صرف یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو مقصود نہ سمجھے اور ہر کام میں رضائے حق ہی کو مطلوب بنائے سو یہ بات بدوں اس غلبہ کے بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر غیر حق کے وجود سے بھی قطع نظر ہو جائے گی تو یہ مقصود سہولت سے حاصل ہو جائے گا۔

یہ بات کہ توحید وجودی توحید مطلوب کا کوئی درجہ نہیں آج پینسٹھ سال کے بعد معلوم ہوئی ورنہ اب تک میں بھی اس کو توحید کی ایک قسم سمجھتا تھا۔ الحمد للہ آج غلطی منکشف② ہوئی جس پر میں بے حد مسرور ہوں۔ اور اس کے متعلق ایک بات اور سمجھو کہ غیر حق کے وجود سے قطع نظر ہو جانے اور غیر کے وجود سے متاثر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس کی برکت سے کسی سوچ اور فکر میں نہ پڑے گا۔ یہ نہیں کہ طبعی اثر بھی نہ ہوگا۔ عام طور پر لوگ وحدۃ الوجود کی حقیقت یہی سمجھتے ہیں کہ غیر حق کے وجود سے طبعی اثر بھی نہ پیدا ہو مگر یہ بات نہیں ہے بلکہ وحدۃ الوجود کا اثر صرف یہ ہے کہ عقلاً متاثر نہ ہو اور اس کی وجہ سے عقلاً اور سوچ میں نہ پڑے ورنہ طبعی تاثر ضرور ہوتا ہے۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ موحد کامل اور جامع حقائق و آثار اقسام توحید کون ہوگا۔ مگر طبعی تاثر آپ کو بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صاحبزادے کے انتقال سے متاثر ہوئے جس کو خود ان الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہر فرمایا۔

انا بفراقك يا ابراهيم لمحزنون③ اب شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب مبتدی بھی متاثر ہوتا ہے اور کامل بھی تو پھر دونوں میں فرق کیا ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے مبتدی کا تاثر تو ایسا ہے جیسے بچہ کے ذرا سا زخم ہو جائے اور اس میں سے خون نکل پڑے تو وہ گھبرا کر روتا ہے کہ ہائے کھون نکل آیا اور

① تصوف کے مسئلہ وحدۃ الوجود پر یقین ہونا صوفی بننے کے لیے ضروری نہیں ② اس غلطی پر متنبہ ہوا ③ ''اے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تمہاری جدائی سے غمگین ہوں''

سمجھتا ہے کہ بس اب جان نکل جائے گی اور متوسط کی ایسی حالت ہے جیسے کسی کو کلورو فام سنگھا کر آپریشن کیا جائے وہ نشتر لگنے سے ظاہر میں ذرا متاثر نہیں ہوتا اور ناواقف سمجھتا ہے کہ یہ بڑا بہادر ہے اور منتہی کامل کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو بدوں کلورو فام سنگھائے آپریشن کیا جائے اس کے منہ سے آہ نکلتی ہے اور نشتر لگنے سے متاثر ہوتا ہے۔ تکلیف کا احساس بھی ہوتا ہے لیکن فکر اور سوچ نہیں ہوتی۔ اور وہ اس سے گھبراتا بھی نہیں بلکہ دل سے راضی ہے اور خوشی خوشی نشتر لگوا رہا ہے ناواقف اس کی آہ سن کر سمجھتا ہے کہ یہ بزدل اور کمزور ہے مگر حقیقت شناس جانتا ہے کہ جس نے آہ نہیں کی یہ اس کا کمال نہ تھا بلکہ کلورو فام کا کمال تھا اور جس نے آہ کی ہے یا اس سے زیادہ کامل ہے کہ تکلیف کا احساس ہو رہا ہے اور پھر خوشی سے نشتر لگوا رہا ہے۔

پس غلبۂ وحدۃ الوجود بعبارت ① دیگر توحید وجودی کے اثر کا یہ مطلب نہیں کہ تاثر بھی نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ وجود غیر حق کا اتنا اثر نہ ہو کہ اُس سے سوچ اور فکر میں پڑ جائے۔ یہی ہے لا موجود الا اللہ ② اور اسی کو توحید حالی کہتے ہیں۔ مگر یہ توحید شرعی کا کوئی درجہ نہیں ہے صرف معین ہے بلکہ درجات توحید کا انتہا لا مقصود الا اللہ پر ③ ہے۔ اور لا موجود الا اللہ نہ مامور بہ ہے۔ نہ اس پر ثواب کا وعدہ ہے اگر یہ بھی توحید کا کوئی درجہ ہوتا تو ضرور اس کا امر ④ بھی ہوتا اور اس پر ثواب بھی ہوتا مگر نصوص اس سے ساکت ہیں۔ ہاں کوئی مجازاً اور اصطلاحاً اس معین توحید کو توحید کہے تو مضائقہ نہیں۔ لا مشاحۃ في الاصطلاح (اصطلاح میں کچھ مضائقہ نہیں ہے) لیکن اس کو مدار کمال سمجھو تو خیر صلاح ہے۔

علاج رضاء خلق

میں یہ کہہ رہا تھا کہ رضائے خلق پر نظر رکھنا شرک کی ایک فرد ہے خواہ اصغر ہی ہو کیونکہ ریاء اس کی فرع ہے اور اس کو احادیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے پس یہ نہایت سخت مرض ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ توحید قصدی حاصل کرو اور مراقبہ وذکر

① دوسری تعبیر میں ② اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ③ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں ④ حکم۔

سے لا مقصود الا اللہ ① کو اپنے اوپر غالب کرو اس کے بعد انشاء اللہ تم رضائے خلق کو رضائے حق ② پر ہرگز ترجیح نہ دو گے۔

اب ایک شبہ رہا وہ یہ کہ بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کو ہزار مراقبوں سے بھی لا مقصود الا اللہ کا غلبہ حاصل نہیں ہوتا ③ بلکہ غیر حق کی مقصودیت کا خیال برابر قائم رہتا ہے تو سنیے ان کے لئے بھی تدبیر موجود ہے وہ نا امید نہ ہوں ۔ یہ لوگ یوں کریں کہ اپنے اختیار سے ہر کام میں رضائے حق کا قصد کریں اور اپنے اختیار سے رضائے خلق کا قصد نہ کریں اور بلا قصد کے اگر رضاء خلق کا وسوسہ یا خیال آئے تو اس کی مطلق پرواہ نہ کرے بلکہ ہمیشہ یوں ہی کرتا رہے کہ اپنے اختیار و ارادہ سے رضائے حق کا قصد کیا کرے تجربہ ہے کہ رذائل کے خلاف عمل کرنے سے چند روز میں اس عمل کی عادت و مشق ہو جاتی ہے پھر رذیلہ کے خلاف عمل کرنے میں کچھ دشواری نہیں ہوتی بلکہ رذیلہ کمزور ہو جاتا ہے جس کی مقاومت ④ سہل ہو جاتی ہے۔

ہمارے حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ رذائل کا ازالہ نہ کرو صرف امالہ ⑤ کافی ہے ۔غرض ازالہ کی فکر ضرور نہیں اضمحلال بھی کافی ہے مگر اضمحلال کے لئے اس کی مشق ضروری ہے اور مشق ہوتی ہے کثرت تکرار سے یہ نہ ہو۔

الحانك اذا صلی یوما انتظر الوحی ⑥ کہ دو دن مخالفت کر کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے کثرت تکرار کی خاصیت ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک دن انشاء اللہ یہ رذیلہ کمزور ہو جائے گا۔

بعض حکماء اس نکتہ کو نہیں سمجھے وہ کہتے ہیں کہ عادات نہیں بدلا کرتیں اس لئے مجاہدہ فضول مگر وہ یہ نہیں سمجھے کہ عادت کے خلاف کی عادت ہو جانے سے پہلی عادات ایسی کمزور ہو جاتی ہیں کہ گویا تھی ہی نہیں اور اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ مشائخ طریق

① اپنے ہر عمل میں اللہ کو مقصود بناؤ ② مخلوق کی خوشنودی کو اللہ کی خوشنودی پر ہرگز ترجیح نہ دو گے ③ مراقبوں کے باوجود اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں کا درجہ حاصل نہیں ہوتا ④ مقابلہ آسان ہو جاتا ہے ⑤ بری صفات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ضروری نہیں صرف ان کا رخ موڑ دو ⑥ ”جولاہا اگر ایک دن نماز پڑھ لے تو وحی کا منتظر رہتا ہے“

کے یہاں رات دن ایسی نظائر مشاہدہ میں آتی ہیں کہ مجاہدات و کثرت مخالفت سے اخلاق رذیلہ ① گو معدوم نہیں مگر کالعدم ضرور ہو جاتی ہیں۔

اور یہ طریقہ ایسا آسان ہے جو ہر شخص کے اختیار میں ہے کہ اپنے قصد اختیار سے رذائل کی مخالفت کرے۔ اسی طرح اپنے اختیار سے رضائے خلق کا قصد نہ کرے بلکہ رضائے حق کا قصد کرے اور اس کے خلاف جو وساوس و خیالات آئیں ان کی پرواہ نہ کرے۔ انشاء اللہ تم ایک دن لا مقصود الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی مطلوب نہیں) پر عامل ہو جاؤ گے اور جب کثرت تکرار سے قصد رضائے حق کی عادت اور مشق ہو جائے گی تو رضائے خلق کے وساوس و خیالات بھی منقطع ہو جائیں گے اور نہ بھی منقطع ہوں تو تم گھبراؤ نہیں کیونکہ وسوسہ ریاء نہیں ریاء اور رضائے خلق وہ ہے جس کے ساتھ قصد متعلق ہو صحیح طریقہ تو یہ ہے

حقیقت توجہ

اور ایک دوسرا طریقہ ناکافی اور ہے کہ بعض لوگ چھومنتر کے پیچھے پڑے رہتے ہیں کہ ہم کو تو کچھ کرنا نہ پڑے۔ بس کسی کی توجہ سے غلبہ ہو جائے اور ایسا ہو بھی جاتا ہے مگر وہ اثر چند روزہ ہوتا ہے اس کی عمر نہیں ہوتی جیسے شعبدہ باز اور بھان متی، آم کا درخت بنا دیتے ہیں اور اس پر پھل بھی اسی وقت آجاتا ہے لیکن اس کی عمر نہیں ہوتی ذرا سی دیر میں سب فنا ہو جاتے ہیں۔

مجھے اس پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ میرٹھ میں ایک دفعہ ایک شعبدہ باز آیا۔ اور اس نے بڑے بڑے شعبدے دکھلائے حاضرین میں ایک سوداگر حاجی خدا بخش تھے وہ ہر شعبدہ پر یہ کہتے تھے کہ محض چالاکی اور ہاتھ کی صفائی ہے اور اُن ترکیبوں کو بھی بتلاتے جاتے تھے جب انہوں نے بار بار یہی کہنا شروع کیا تو شعبدہ باز نے کہا کہ اچھا ذرا کرسی سے کھڑے ہو کر اپنا پیٹ ملو حاجی جی نے کرسی سے کھڑے ہو کر اپنا پیٹ ملا تو تھوڑی دیر میں اُن کے پاجامہ کے اندر سے ایک پنجرہ کبوتروں کا نکل پڑا اور کبوتر لگے غٹرغوں غٹرغوں کرنے

① برے اخلاق اگرچہ ختم نہ ہوئے البتہ کمزور ہو گئے۔

شعبدہ باز نے کہا کہ حاجی صاحب یہ بچے کب سے پیٹ میں لئے بیٹھے تھے اور حاجی صاحب کی یہ حالت ہوئی کہ ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور شرم کی وجہ سے سر نہ اٹھا سکے۔ پھر دم نہیں مارا خاموش بیٹھے دیکھتے رہے۔ مگر یہ کبوتر جیسے چھومنتر سے آئے تھے ویسے ہی چھومنتر سے غائب بھی ہو گئے ایسے ہی جن لوگوں کو کسی کی توجہ سے کوئی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے اس کے لئے بقا نہیں ہوتا۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک حرارت تو وہ ہے کہ تنور کے پاس بیٹھنے سے بدن گرم ہو گیا، یہ دیر پا نہیں۔ وہاں سے اٹھ کر جہاں ٹھنڈی ہوا لگی اور سرد ہو گئے اور ایک حرارت وہ ہے جو سنکھیا کھانے سے پیدا ہوا اُس کو ہزار پنکھے جھلو وہ سرد ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح جن کے پاس توجہ اور چھومنتر سے کوئی کیفیت ہوتی ہے وہ جہاں چند روز شیخ سے الگ رہے اور سرد ہوئے اور جس کے پاس اپنی کمائی ہوئی دولت ہو وہ تمام شیاطین وابالسہ ① (جمع ابلیس) سے بھی سرد نہیں ہوتا اگر دنیا بھر کے شیاطین اس کی دولت کو چھیننا چاہیں کبھی ممکن نہیں کیونکہ وہ تو اس کی رگ رگ میں پیوستہ ہے جان نکلنے کے ساتھ بھی نہیں نکل سکتی۔

سلبِ نسبت

اور یہ جو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کی نسبت سلب کر لی تو وہ محض کیفیت سلب ہوتی ہے ورنہ نسبت مع اللہ بھی کہیں کسی کے سلب کرنے سے سلب ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔

صاحبو! میں اس وقت تصوف کو پانی کر رہا ہوں نہ تو میں آپ کو لا موجود الا اللہ کا مکلف کرتا ہوں کیونکہ یہ تو شیخ ابن عربی ہی کا کام تھا۔ ہمارا آپ کا کام نہیں۔ اور نہ ایسا آزاد چھوڑتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کرو۔ بلکہ میں آپ کو بین بین حالت کی وصیت کرتا ہوں کہ نہ تو بالکل بے فکر رہو کہ چھومنتر ہی کا انتظار کرتے رہو اور نہ لا موجود الا اللہ کے درپے رہو بلکہ بحمد اللہ لا معبود الا اللہ کا درجہ تو آپ کو حاصل ہے ہی

① ساری دنیا کے شیاطین اور ابلیس مل کر بھی اس کی دولت نہیں چھین سکتے۔

اعتقاداً بھی اور عملاً بھی بس اتنی کسر ہے کہ لا مقصود الا اللہ کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اعتقاداً تو یہ درجہ بھی آپ کو حاصل ہے صرف عمل میں کسر ہے سو ضرورت اس کی ہے کہ عملاً لا مقصود الا اللہ پر عامل ہو جاؤ کہ ہر کام میں رضائے حق کا قصد کرو۔

ارضائے خلق بیت ارضائے حق

اور یہ حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ یہاں وَ رَسُوْلُہٗ بڑھا کر اس بات کی تنبیہ فرمادی کہ ارضائے خلق (مخلوق کا راضی کرنا) بھی اگر بہ نیت ارضائے حق ہو تو وہ ارضائے حق ① ہی میں داخل ہے پس اب شیخ کی اطاعت وانقیاد پر اشکال نہ رہا ② بلکہ وہ بھی ارضائے حق ہی ہے کیونکہ ارضائے شیخ سے مقصود ارضائے حق ہی ہے۔

بعض لوگوں کی نیت تو اس میں یہ ہوتی ہے کہ شیخ خوش ہوگا تو ہمارے حال پر زیادہ توجہ کرے گا اس میں تو اپنی غرض کا شائبہ بھی ہے گو یہ غرض محمود ہے کیونکہ توجہ سے مقصود اپنی اصلاح وتکمیل ہے اور اس سے مقصود ارضائے حق ہی ہے۔ اور بعض کی نیت یہ ہوتی ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا مقرب ومقبول ہے اس کے خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے۔ اس نیت میں اپنی غرض بھی نہیں ہے بلکہ خالص ارضائے حق ہی مطلوب ہے۔ بہر حال ارضائے خلق اگر بہ نیت ارضائے حق ہو۔ تو وہ ارضائے حق ہی میں داخل ہے۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارضاء کو آیت میں ارضائے حق کے ساتھ ذکر کیا گیا اور حدیث نے تو اس مسئلہ کو بہت اچھی طرح صاف کر دیا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا قرآن سنا جبکہ وہ تہجد میں قرآت کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو فرمایا کہ اے ابو موسیٰ رات میں نے تمہارا قرآن سنا ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے مزامیر آل داؤد میں سے ایک مزمار عطا فرمایا ہے۔ مراد یہ کہ تمہاری آواز گویا لحن داؤدی ہے۔

تو حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر مجھے خبر ہوتی کہ

---

① مخلوق کی خوشنودی اگر اللہ کی خوشنودی کی غرض سے ہو تو وہ بھی اللہ ہی کی خوشنودی کا حصول ہے ② اب یہ اشکال رفع ہو گیا کہ اپنے شیخ کی خوشنودی کا ارادہ کرنا بھی تو رضائے مخلوق ہے۔ کیونکہ شیخ کو راضی کرنے سے مقصود بھی اللہ کو راضی کرنا ہی ہے۔

آپ ﷺ سن رہے ہیں تو میں اور بنا سنوار کر پڑھتا۔ حدیث میں لحبرت تحبیرا وارد ہے اس کا یہی ترجمہ ہے۔

اس سے بعض زاہدان خشک کو یہ شبہ ہوا ہے کہ حضرت ابوموسیٰؓ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن کو بنا سنوار کر پڑھتے تو یہ ریاء ہوتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیر حق ہیں اور غیر حق کے لئے عمل کرنا ریا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہرگز ریا نہ ہوتی کیونکہ اس وقت ابوموسیٰؓ کو تطییب قلب رسول ﷺ بہ نیت ارضائے حق مطلوب ہوتی ① اور یہ ریاء نہیں۔ گو کسی کو شبہ ہو جائے کہ صورۃً تو ریاء ہے مگر اس کی تسلیم کے بعد یہ کہا جائے گا کہ صورت ریا ریا نہیں ہے جب تک حقیقت ریاء نہ ہو۔

صورت ریاء ریاء نہیں

اور یہاں سے ایک مسئلہ اور سمجھ لیجئے جو اجمالاً اس وقت میری زبان سے نکل گیا ہے کہ صورت ریاء ریا نہیں ہے اسی کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ وسوسہ ریاء ریاء نہیں ہے۔ بس ریاء وہ ہے کہ عمل دینی سے مقصود ہی غیر حق ہو اور غیر حق کو ارضائے حق کا واسطہ بھی ② نہ بنایا گیا ہو۔ اور اگر مقصود عمل سے غیر حق ہو تو غیر کا وسوسہ آنا مضر نہیں۔

رہا یہ کہ اس کا معیار کیا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ وسوسۂ ریاء تھا نہ کہ حقیقت ریاء۔ تو ائمہ طریق نے اس کو بھی بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ریاء یہ ہے کہ اس کے دیکھنے والے چلے جائیں تو یہ ذکر وغیرہ کو قطع ③ کر دے اور اگر ان کے جانے کے بعد ذکر کو قطع نہ کرے تو دیکھنے والوں کے ہوتے ہوئے جو ان کی طرف خیال گیا تھا یہ وسوسۂ ریاء ④ تھا ریاء نہ تھا۔ خوب سمجھ لو بعض لوگ اس حقیقت کے نہ جاننے سے ذکر جہر میں پس وپیش کرتے ہیں کہ اس میں تو یہ ریاء ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک شخص کو ذکرِ جہر ⑤ تعلیم فرمایا تو اس نے یہی کہا کہ اس میں تو ریاء ہوگی خفی کر لیا کروں۔ مولانا نے فرمایا کہ جی ہاں! اس میں تو

---

① ابوموسیٰ کا حضور کے دل کو خوش کرنا اللہ ہی کو راضی کرنے کے لیے مطلوب تھا جو ریاء نہیں ہے ② کسی عمل سے مقصود لوگوں کو خوش کرنا ہی ہو لوگوں کی خوشنودی کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بھی بنائے ③ ختم کر دے ④ ریاء کا وسوسہ تھا ریاء نہیں تھا ⑤ بلند آواز سے ذکر کی تعلیم دی۔

ریاء ہوگی خفی میں نہ ہوگی۔ ارے بیٹھو! ذکرِ خفی میں تو اس سے زیادہ ریاء ہوگی۔ کیونکہ ذکر جہر میں تو لوگ یہی جانیں گے بس لا الہ الا اللہ کر رہے ہیں۔ اور جب گردن جھکا کر بیٹھو گے تو لوگ سمجھیں گے کہ نہ معلوم کہاں کہاں کی سیر کر رہا ہے۔ عرش کی یا کُرسی کی چاہے میاں سوتے ہی رہیں۔

چنانچہ مولانا نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ہم تھانہ بھون حاجی صاحبؒ کی خدمت میں تھے اس وقت ایک نقشبندی بزرگ بھی آئے ہوئے تھے۔ رات کو ہم ذکرِ جہر کرتے تھے اور وہ ذکرِ خفی مگر صبح کو وہ شکایت کرتے تھے کہ آدھا ذکر ہوا تھوڑی دیر کے بعد نیند آ گئی تھی اور میں سر جھکائے سو رہا اور ہم سب اپنا معمول پورا کر لیتے تھے تو حضرت ذکر خفی میں بعض دفعہ آپ سوتے ہی رہیں گے اور لوگ سمجھیں گے کہ شیخ صاحب مراقبہ میں ہیں تو یہ اچھا انسداد ریاء ہوا کہ ذکر ہی سے رہ گئے پس یہ وسوسہ لغو ہے ریاء کوئی خود نہیں لپٹتی پھرتی۔ جب قصد کرو گے تب ہی ریاء ہوگی ورنہ محض وسوسہ ہوگا جو مضر نہیں۔

اور بعض لوگ جو خود اپنے لئے ذکر خفی تجویز کرتے ہیں اس میں کبھی نفس کا ایک کید ① بھی ہوتا ہے اگر شیخ تجویز کرے تو اور بات ہے خود تجویز کرنے میں اکثر نفس کا یہ کید ہوتا ہے کہ لوگوں کو میرے ناغہ کی اطلاع نہ ہو کیونکہ خود ذکر جہر میں اگر کسی دن سو گئے اور جہر نہ ہوا تو بھانڈا پھوٹ جائے گا کہ بس سارا جوش ختم ہو گیا۔ اور آج میاں نے کچھ بھی نہیں کیا اور ذکر خفی میں چاہے روز سویا کرو عمر بھر بھی ناغہ کا پتہ کسی کو نہ چلے گا۔ پس یہ خیالات لغو ہیں ان کو دل سے نکالو اور شوق سے ذکر جہر کرو اور ریاء سے بے فکر رہو مگر اتنا جہر نہ کرنا کہ محلّہ والے تم کو کوسیں ورنہ ایسے جہر سے نفع نہ ہوگا۔

ہمارے ایک دوست ڈپٹی کلکٹر ذرا شاغل تھے انتقال کر گئے پہلے وہ دوسرے شیخ سے متعلق تھے ایک زمانہ میں وہ اتنا جہر کرتے تھے کہ محلّہ بھر کو رات بھر جگاتے تھے اور سب ان کو کوستے تھے پھر وہ اپنے شیخ سے بے تعلق ہو گئے کیونکہ وہ واقع میں شیخ نہ تھے ان کی تعلیم سے ان کو تسلی نہ ہوتی تھی پھر انہوں نے مجھ سے رجوع کیا چونکہ طالب تھے اس لئے میں نے ان کی تعلیم و تربیت قبول کر لی مگر یہ کہہ دیا کہ اپنے

① نفس کی چالاکی۔

پہلے شیخ سے بدگمانی اور بے ادبی کبھی نہ کرنا کیونکہ اس کا یہی تم پر بڑا احسان ہے کہ اس نے تم کو راستہ پر ڈال دیا اور اس کے بعد میں نے ان کو جہر مفرط [1] سے منع کر دیا تو ان کے محلّہ والے مجھے دعا دیتے تھے، خلاصہ یہ کہ وسوسۂ ریاء سے بے فکر رہو اور ذکر جہر شوق سے کرو۔

اسی طرح اگر کسی میں ذوق وشوق وغیرہ کی استعداد نہ ہو تو وہ بھی بے فکر رہے اس کو بھی توحید لا مقصود الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں) درجہ حاصل ہوسکتا ہے جس کا طریقہ میں نے اوپر بتلا دیا ہے۔ پس ان کیفیات کی استعداد نہ ہونے سے کوئی مایوس نہ ہو، آج کل غیر محقق مشائخ بہت ہیں وہ ایسے لوگوں کو حصول مقصود سے مایوس کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ میں صاف کہتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ طریق کی استعداد اور مقصود تصوف کی قابلیت ہر مسلمان میں ہے کوئی مسلمان نا اہل نہیں کیونکہ تصوف کا مقصود اصلی ادائے مامور بہ [2] ہے اور مامور بہ کا اختیاری ہونا ضروری ہے اور امر اختیاری کا ہر شخص اہل ہے ورنہ وہ اختیاری نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو! آج کے بیان میں دیر بہت ہوگئی ہے مگر میرے نزدیک یہ سب مضامین ضروری تھے اور چونکہ اس وقت ضروری مضامین قریب قریب سب بیان ہو گئے ہیں جن کا مقصود بالبیان سے تعلق تھا اس لئے میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔

مراتب اخلاص

ہاں! ایک مضمون میں کچھ کمی رہ گئی ہے اس کو اب پورا کئے دیتا ہوں، اس کے بعد ختم کر دوں گا۔ وہ مضمون یہ ہے کہ میں نے کہا تھا کہ ارضائے خلق للحق [3] ریاء نہیں اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث دلیل میں بیان کی تھی اس سے ایک اشکال کا جواب ہو گیا جو زمانۂ دراز تک مجھے بھی رہا وہ یہ کہ بعض لوگ قراء سے درخواست کرتے ہیں کہ کچھ قرآن سناؤ اب اگر وہ بنا سنوار کر پڑھتے ہیں تو ریاء کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ وہ تنہائی

[1] بہت زور سے ذکر کرنے سے منع کر دیا [2] حاصل تصوف یہ ہے کہ جن احکامات کا حکم دیا گیا ہے ان کو بجا لائے جو اس کا فعل اختیاری ہے [3] اللہ کو راضی کرنے کے لیے مخلوق کو راضی کرنے کی فکر ریاء ہیں ہے۔

میں اس طرح بنا سنوار کر نہیں پڑھتے اور معمولی طور سے پڑھ دیں تو درخواست کرنے والوں کا جی خوش نہیں ہوتا یہ اشکال پھر بہت دنوں کے بعد الحمد اللہ حضرت ابو موسیٰؓ کی اس روایت سے رفع ہوا۔ اور معلوم ہوا کہ تطییب قلب مومن کے لئے خوش آوازی سے قرآن پڑھنا ریاء نہیں ① گو اس میں ارضاء خلق مقصود ہے مگر یہ ارضاء خلق للحق ② ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے تطییب قلب مومن کا امر فرمایا ہے پس جو قاری خوش آوازی سے لوگوں کو قرآن سناتا ہے اگر اُس کو دنیا مطلوب نہیں اور وہ قرآن سُنا کر روپیہ نہیں لیتا تو ③ یہ بھی اخلاص ہی ہے کیونکہ یہ سب اخلاص ہی کے مراتب ہیں ایک یہ کہ محض خدا تعالیٰ کے لئے کام کرے مخلوق کا اس میں تعلق ہی نہ ہو اور ایک یہ کہ مخلوق کے راضی کرنے کو کام کرے مگر کوئی غرض دنیوی مطلوب نہ ہو صرف اسکا خوش کرنا مقصود ہو جو دینی غرض ہے اور ایک درجہ یہ کہ کچھ نیت نہ ہو نہ دنیا مطلوب ہو نہ دین، یونہی خالی الذہن ہو کر کوئی عمل کر لیا یہ بھی اخلاص یعنی عدم الریاء ④ ہے۔ بس ریاء یہ ہے کہ دنیوی غرض کی نیت ہو۔

اب میں طلبہ کو بشارت دیتا ہوں کہ ان میں سے بعض کو طلب علم سے کچھ بھی مطلوب نہیں ہوتا نہ دنیا نہ دین۔ محض والدین کے کہنے سے پڑھ رہے ہیں۔ سو یہ بھی ایک درجہ کے مخلص ہیں۔ خلو عن الغرض الدنیوی ⑤ بھی اخلاص ہی ہے کیونکہ ریاء اور اخلاص کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور ریاء کی حقیقت ہے۔

اراءۃ الخلق للغرض الدنیوی: (دنیوی غرض سے مخلوق کو دکھلانا) اس مجموعہ میں سے ایک قید کے اُٹھ جانے سے بھی اخلاص کا تحقق ہو جائے گا۔ خواہ ارادۃ الخلق (مخلوق کو دکھلانا) ہی نہ ہو یا ارادۃ الخلق ہو مگر غرض دنیوی نہ ہو بلکہ دینی ہو یا غرض ⑥ ہی کچھ نہ ہو۔

---

① معلوم ہوا محفل قراءت میں لوگوں کو خوش کرنے کے لیے خوش آوازی سے تلاوت کرنا ریاء نہیں جیسے کہ عام طور پر قراء کرام محافل میں پڑھتے ہیں ② اگرچہ اس میں مخلوق کا خوش کرنا مقصود ہے لیکن یہ دراصل خوشنودی رب ہی ہے کیونکہ مومن کے دل کو خوش کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ③ جبکہ اس تلاوت سے مقصود حصول مال نہ ہو ④ ریاء نہ ہونا ⑤ دنیا کی غرض سے دل کا خالی ہونا بھی اخلاص ہی ہے ⑥ (فان قلت) یرد علیہ خلو العمل الاختیاری عن غایتہ وھو محال ۲ ا ظ (قلت) الغایۃ عام یشمل بلوغ درجۃ الکمال فی ذاک العمل ولا یلزم قصد الغایۃ فی ھذہ الغایۃ۔

اسی رمضان میں گڈھی کے خان صاحب کی فرمائش پر مولوی طیب نے جمعہ کے بعد کچھ قرآن پڑھا تھا اگر کوئی ان سے پوچھتا کہ آپ کی اس وقت کیا غرض تھی تو وہ کچھ بھی نہ کہہ سکتے ۔ بس خان صاحب نے فرمائش کی اور انہوں نے فرمائش کو پورا کر دیا تو یہ بھی اخلاص ہے گو اعلیٰ درجہ تو یہی ہے کہ نیت ارضائے حق ① کی ہو مگر اعلیٰ درجہ کا اخلاص بڑے درجہ والوں کے لئے ہے ہمارے لیے تو یہی کافی ہے ۔ مقصود ریاء سے بچنا ہے اور یہ اخلاص کے ہر درجہ میں حاصل ہے ۔ بس اسی کا نام تصوف ہے۔ تصوف لوٹنے پوٹنے ② کا نام نہیں ہے بلکہ مقامات کا نام تصوف ہے اور مقامات یہی ملکات ③ ہیں۔ اخلاص ورضاء تواضع ④ وغیرہ ان کا حاصل کرو اور ان کی اضداد ریاء وکبر واغراض وغیرہ سے نکل جاؤ بس صوفی ہو گئے۔

اسی طرح بیمار پرسی میں ایک نیت تو یہ ہے کہ مسلمان کی عیادت سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں یہ تو اعلیٰ درجہ کا اخلاص ہے اور ایک نیت یہ ہے کہ عیادت سے بیمار خوش ہوگا یہ بھی اخلاص ہے کیونکہ تطییب قلب مومن بھی عبادت ہے ایک نیت یہ ہے کہ بیمار کا حق ہے کہ اس کی عیادت کی جائے یہ بھی اخلاص ہے ۔ ایک یہ صورت ہے کہ کچھ نیت نہ ہو بس کسی کی بیماری کا حال سن کر دل کُڑھا۔ اور دل میں دیکھنے کا جوش ہوا اور چلے گئے کوئی غرض دینی یا دنیوی ذہن میں حاضر نہیں یہ بھی اخلاص ہے۔ بس ریاء یہ ہے کہ اس نیت سے جائے کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو کل کو یہ مجھے پوچھنے نہ آئے گا یہ دنیوی غرض ہے بس جب تک دنیوی غرض نہ ہو ریاء نہیں بلکہ اخلاص ہی ہے۔

اب یہاں سے ایک بزرگ کے اشکال کا جواب ہو گیا جو حکایات اولیاء میں منقول ہے کہ ایک بزرگ کے سامنے جنازہ لایا گیا تو وہ نماز میں شریک نہ ہوئے لوگوں نے نماز پڑھ لی اور نماز کے بعد اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں شریک نہ ہوئے؟ فرمایا کہ میں نیت درست کرنے میں رہ گیا۔ میں اس کا یہ مطلب سمجھا ہوں کہ انہوں نے نفس سے پوچھا کہ تو کس نیت سے اس کی نماز پڑھتا ہے وہ کوئی نیت معین نہ کر سکا اب تک

① اللہ کو راضی کرنے کی ہو ② حال طاری ہوکر بے حال ہونے کا نہیں ہے ③ یہی خاص صفات ہیں ④ اخلاص اللہ کی رضاء اور عاجزی۔

نیت درست نہ ہوئی تھی۔اس لئے شریک نہ ہوسکا۔ میں کہتا ہوں اُن پر خالص حالت کا غلبہ تھا ورنہ جب کوئی نیت معلوم نہ ہوئی تھی تو یہ بھی اخلاص تھا۔ان کو چاہئے تھا کہ خلوص ذہن ہی کی حالت میں شریک ہوجاتے ورنہ اگر اس قاعدہ سے کام نہ لیا گیا تو بہت سے اعمال سے رہ جاؤ گے۔

احمق کا اخلاص

اور وہ حالت ہوگی جو ہمارے ایک کرم فرما کی دہلی کے اسٹیشن پر ہوئی وہ اپنے گھر والوں کو ساتھ لیے ہوئے وطن سے تھانہ بھون آرہے تھے جب دہلی کے اسٹیشن پر پہنچے تو ایک پیسہ کے چنے خریدنے کو ریل پر سے اُترے اور دیر تک کھڑے کھڑے سوچتے رہے کہ یہ چنے تو کس لیے خریدتا ہے؟ کیا ضرورت ہے ایسا نہ ہو کہ یہ اسراف ہو جائے۔اسی سوچ میں بہت دیر ہوگئی آخر ریل نے جب سیٹی دی اس وقت گھبرا کر خوانچہ والے کو پیسہ دیدیا کہ اس کے چنے دیدے۔اتنے وہ چنے دیتا رہا ریل چھوٹ گئی پھر جو یہ چنے لے کر اپنے درجہ میں بیٹھنے کے لئے دوڑے تو گاڑی تیز ہوگئی اور ریل کے قلی یا بابو نے ان کو روک دیا کہ چلتی گاڑی میں آپ نہیں بیٹھ سکتے۔اب سخت پریشان ہوئے کیونکہ بیوی زنانہ درجہ میں تھی اور سامان مردانہ میں تھا۔بیوی کی پریشانی کا الگ خیال سامان کے ضائع ہوجانے کا جدا اندیشہ [1]۔وہ تو خیر ہوئی کہ مردانہ درجہ میں شاہدرہ کے اترنیوالے ایک ملاقاتی موجود تھے انہوں نے شاہدرہ میں سامان اتار لیا۔اور زنانہ درجہ میں غازی آباد کی بعض عورتیں بیوی کی جان پہچان والی تھیں وہ اُن کے ساتھ غازی آباد کے اسٹیشن پر اُتر کر اُن کے ساتھ ان کے مکان پر چلی گئی مردانہ درجہ میں جو ملنے والے شخص تھے جب وہ شاہدرہ میں اپنا اور اُن کا دونوں کا سامان لے کر اُترے تو ریل کے سپاہی نے ان کو ٹوکا کہ سامان زیادہ ہے اس کی بلٹی لاؤ ورنہ وزن کراؤ۔سامان پندرہ سیر سے زیادہ نہ تھا مگر احمق کا دوست احمق ہی ہوتا ہے اُن کی زبان سے نکل گیا کہ یہ سامان کل میرا نہیں ہے بلکہ اس میں زیادہ حصہ ایک مسافر کا ہے جو ریل چھٹ جانے کی وجہ

[1] سامان کھوجانے کا الگ خطرہ۔

سے دہلی رہ گیا اور ابھی آنے والا ہے سپاہی نے یہ سُن کر کہا کہ پھر تو آپ پر چوری کا شبہ ہے اس لئے جب تک وہ دوسرا مسافر نہ آجائے آپ نہیں جاسکتے اور یہیں حراست میں رہنا پڑے گا۔ اب دوسری ٹرین سے یہ حضرت شاہدرہ پہنچے تو وہ دوست ان کو آکر لپٹ گئے کہ تمہارے سامان کی وجہ سے میں قید میں ہوں مجھ کو چھڑاؤ۔ انہوں نے اس کو خوشامد کی کہ یہاں دو تین منٹ ہی ریل ٹھہرتی ہے اس لئے میں نہیں اُتر سکتا۔ میری بیوی آگے غازی آباد چلی گئی ہے اُس کو واپس لاکر آپ کو چھڑاؤں گا۔ اب غازی آباد پہنچے تو اسٹیشن کے مسافر خانہ میں بیوی موجود نہیں۔ بڑے پریشان ہوئے کہ پھر کہاں گئی۔ شہر میں بیوی کے باپ ملازم تھے ان کے گھر گئے تو معلوم ہوا کہ یہاں نہیں آئی پھر اسٹیشن پر واپس آئے اور ادھر ادھر لوگوں سے سراغ لگایا تو بڑی دیر میں کسی سے پتہ لگا کہ ایک لاوارث عورت فلاں محلہ کی عورتوں کے ساتھ چلی گئی ہے یہ اُس محلہ میں گئے اور یکہ یا ٹمٹم کرایہ ① کر کے اُس کو لائے اور کئی گھنٹوں میں شاہدرہ واپس آئے اُس وقت تک وہ دوست بے چارہ بدستور مقید تھا اُس کو الگ پریشان کیا خود الگ پریشان ہوئے۔ پھر سپاہی نے ان کی واپسی پر بھی اُس دوست کو مفت نہیں چھوڑا بلکہ ایک ''روپیہ'' رشوت کا دینا پڑا تو ایک پیسہ کے چنے خریدنے میں آپ نے اتنے سوچ سے کام لیا کہ بجائے ایک پیسہ کے کئی روپیوں کا نقصان ہوا اور اپنی بیوی کی اور دوست کی پریشانی الگ رہی ان حضرت کو میں نے یہ کہہ رکھا تھا کہ جو کام کرو سوچ کر کرو جو بات کرو سوچ کر کرو اس تعلیم کا آپ نے یہ مطلب سمجھا کہ اتنی دیر تک سوچا کرو کہ ریل بھی نکل جائے۔

واقعی! اب تو میں اس حکایت کو سُن کر ڈر گیا کہ ایسے احمقوں کو یہ بھی نہ بتلانا چاہئے کہ سوچ کر کام کرو کیونکہ وہ اسی طرح سوچا کریں گے جس طرح ان حضرت نے سوچا تھا پھر جب اس سے نقصان پہنچے گا تو دل میں کہیں گے کہ پیر صاحب کی تعلیم پر اچھا عمل کیا تھا کہ ایک پیسہ کی جگہ کئی روپیہ کا نقصان ہوا وہ اپنی عقل کو الزام نہ دیں گے بلکہ شیخ کی تعلیم پر الزام رکھیں گے اس لئے میں صاف کہتا ہوں کہ خلوذہن ② بھی اخلاص ہی ہے۔ اگر کوئی نیت حاضر نہ ہو تو اس کے سوچنے میں دیر کرنے کی ضرورت نہیں بے فکر ہو

① گھوڑا گاڑی ② ذہن میں کسی جانب کا متعین نہ ہونا بھی اخلاص کی دلیل ہے۔

کر کام کرلو تم ریاء کار نہ ہوگے بلکہ مخلص ہوگے اور اسراف کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ جب کوئی چیز خریدنا چاہو تو سوچ لو کہ ضرورت ہے یا نہیں اگر فوراً ضرورت ذہن میں آجائے تو خرید لو اگر فوراً ضرورت ذہن میں نہ آئے تو نہ خریدو کیونکہ جس ضرورت کو آدھے گھنٹے تک سوچ سوچ کر پیدا کیا جائے وہ ضرورت نہیں۔

اور اگر دل میں بہت ہی تقاضا ہو اور ضرورت معتد بہا سمجھ میں نہ آئے تو ایسی صورت میں چیز خرید لو اور اطمینان سے بیٹھ کر سوچتے رہو اگر اسراف نہ ہونا متحقق ہو گیا کھا لو ورنہ خیرات کردو اور بیوی کو کھلا دینا بھی خیرات ہی ہے۔ اور اگر بیوی کا جی خوش کرنے کے لئے بلا ضرورت بھی کوئی چیز خرید لو تو وہ بھی اسراف نہیں کیونکہ تطییب قلب ① زوجہ بھی مطلوب ہے بشرطیکہ اُس میں طاقت سے زیادہ قرض نہ کرے۔

واللہ! مجھے ایسے احمقوں کی تعلیم میں آئندہ کے لئے خطرہ ہو گیا کہ ان کو کس طرح تعلیم کی جائے جب گھر کی عقل نہیں تو نہ معلوم یہ لوگ اُس تعلیم کا کیا مطلب سمجھیں گے۔ جیسے ان حضرت نے سوچ کر کام کرنے کا یہ مطلب سمجھا لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اُن بزرگ کا جنازہ کی نماز میں اس لئے شریک نہ ہونا کہ کوئی نیت قائم نہ ہوئی تھی محتاج تاویل ہے ورنہ اصل یہی تھا کہ اُن کو شریک ہو جانا چاہئے تھا اور اس صورت میں ریاء نہ ہوتی۔

حقیقت ریاء

خلاصہ یہ کہ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ میں ورسولہ (اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے) بڑھانے سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ ارضاءِ خلق للحق ② ریاء نہیں ہے ریاء وہ ہے جس میں دنیا کی غرض ہو حتی کہ ارضاء ③ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اگر دنیا کے لئے ہو تو ریاء ہے چنانچہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا ہی کے لئے راضی کرنا چاہتے تھے جن پر اُن کو ملامت کی گئی مگر یہاں ایک تفصیل اور ہے وہ یہ کہ اگر دنیائے فاسد یعنی معصیت کی نیت ہو وہ تو یقیناً ریاء ہے اور اگر دنیائے مباح کی نیت ہو تو اگر عمل دنیوی میں ہے تو وہ بھی ریاء نہیں ہے اور اگر عمل دینی

① بیوی کا دل خوش کرنا بھی مطلوب ہے ② حق کے لیے مخلوق کی خوشنودی کا طالب ہونا ریاء نہیں ہے
③ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی۔

میں ہے تو وہ بھی ریاء ہے پس اب یوں کہنا چاہئے کہ ریاء کی حقیقت ارضاء الخلق للغرض الدنیوي الفاسد او للغرض المباح فی الطاعۃ① ہے مثلاً اگر کسی شخص کو عمل مباح② سے اس لئے راضی کیا جائے تا کہ اُس کے شر سے محفوظ رہیں تو یہ ریاء نہیں۔ ریاء یہ ہے کہ مخلوق کو اس لئے راضی کیا جائے تا کہ وہ ہمارے معتقد رہیں۔ ہمارے مُرید زیادہ ہوں وغیرہ وغیرہ کیونکہ یہ نیت معصیت③ ہے۔

اور ایک بات اور سمجھ لو وہ یہ کہ بعض دفعہ کوئی عمل ظاہر میں صالح معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں محقق کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ تمہارے واسطے یہ عمل صالح نہیں۔ کیونکہ نیت محمود نہیں تو اُس عمل کو چھوڑ دو اور محقق کا اتباع کرو۔ جیسا کہ بعض لوگ اپنا مجمع بڑھانے کو تاویل فاسد سے عمل صالح سمجھتے ہیں یہاں اپنی رائے پر عمل نہ کرو۔ بلکہ محقق سے استفتاء کرو کسی نے خوب کہا ہے

بہر چہ از دوست وامانی چہ کفراں حرف چہ ایماں
بہر چہ ازیار دورافتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا④

اور اس کو محقق ہی بتلا سکتا ہے کہ کس عمل کو قرب حق میں دخل ہے اور کس کو دخل نہیں ہاں اگر خدا تعالیٰ تم کو بصیرت وتحقیق عطا فرما دیں تو پھر اپنے رائے پر بھی عمل کرنا جائز ہے اور اس میں اگر غلطی ہوگی تو تم ماخوذ نہ ہوگے کیونکہ وہ غلطی اجتہادی ہوگی جس میں اجر کا وعدہ ہے۔

بس اب میں ختم کرتا ہوں۔ اور یہ مضامین اس آیت سے بزرگوں کے اقوال اور احادیث نبویہ ﷺ کے امداد اور اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی کرنے کی برکت سے میں نے مستنبط کئے ہیں ورنہ میری کیا مجال تھی جو ان علوم کو بیان کرسکتا۔

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق دیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں (آمین)

وصلی اللہ تعالی علی افضل الخلق واکملہ سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین صلوۃ وسلماً دائمینَ متلازمین ابدالابدین واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین رب اغفرلی وارحم وانت خیر الرحمین

---

① ''دنیاوی غرض سے مخلوق کو دکھانا یا غرض مباح فی الطاعات دکھانا'' ② جائز کام ③ گناہ ④ ''جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خود وہ کچھ ہی نہ ہو''

اخبار الجامعۃ
ماہ نومبر/ دسمبر 2024ء

اسفار حضرت ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی (دامت برکاتہم العالیہ)

❁ 21 نومبر: حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب (مدظلہ العالی) (مہتمم جامعہ) اچھرہ لاہور قاری ذکی اللہ کیفی صاحب کی مسجد میں اساتذہ تحفیظ القرآن الکریم وتجوید کے لیے تربیتی دورۂ تجوید کی تکمیل کے موقع پر آخری سبق پڑھا کر سندِ شرکت سے نوازا۔

❁ 30 نومبر: جامع مسجد تلوار والی انارکلی لاہور میں ''تحفظ ختم نبوت کانفرنس'' میں تلاوتِ قرآن فرما کر حفاظ کرام کی دستار بندی فرمائی۔

❁ 6 دسمبر: مولانا شہباز عالم فاروقی صاحب کے ہاں بیٹے کی تقریب دعوتِ عقیقہ میں تلاوتِ قرآن کے بعد دعاء خیر سے نوازا۔

❁ 8 دسمبر: جامعہ احسان القرآن حضرت مولانا مفتی محمد انیس مظاہری صاحب (مدظلہ العالی) کے ہاں اجتماع میں شرکت فرما کر تلاوتِ قرآن کریم فرما کر کامیاب طلباء کو انعامات سے نوازا۔

❁ 10 دسمبر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں طلباء وفضلاء کرام کے لیے تربیتی نشست کا انعقاد ہوا جس میں استاد الحدیث جامعہ ہٰذا مولانا ڈاکٹر محمد سعد صدیقی صاحب مدظلہ نے خطاب فرمایا اور نائب مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ ہذا حضرت مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی صاحب مدظلہ نے تشریف لائے ہوئے معزز مہمانوں کو جامعہ کی لائبریری اور ادارہ اشرف التحقیق میں موجود قیمتی اور نایاب کتب ومخطوطات کا تفصیلی آگاہی اور تعارف کرایا جس کے بعد مہمان خصوصی

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ہمایوں عزیز صاحب سیکریٹری شعبہ دفاعی پیداوار، سابق کور کمانڈر کراچی نے خصوصی خطاب میں دینی مدارس کے علماء وطلباء کو باہمی اتحاد واتفاق، ضبط و برداشت، اور عصری تقاضوں پر پورا اترنے کی طرف توجہ دلائی آخر میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے کلماتِ تشکر سے تقریب کا اختتام فرمایا۔

❁ 11 دسمبر: گوجرانوالہ شاخ مدرسہ فتح العلوم حضرت قاری ریاض احمد انصاری (زید مجدہ) کے ہاں ''تاج دارِ ختم نبوت کانفرنس'' میں شرکت فرما کر تلاوتِ قرآن کے بعد خصوصی خطاب فرمایا۔

❁ 13 دسمبر: لاہور چوبرجی جامعہ امہات المؤمنینؓ للبنات مہتمم قاری محمد افضال صاحب کے ہاں تقریب میں شرکت فرما کر تلاوتِ قرآن کریم کے بعد فاضلاتِ درسِ نظامی کو اپنی عملی زندگی میں دینی تعلیم کی روشنی میں ذمہ داریاں ادا کرنے کی ترغیب وتاکید فرمائی۔

❁ 17 دسمبر: اسلام آباد جامع مسجد عثمانؓ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے اہم اجلاس میں شرکت فرمائی جس میں حکومت کی طرف سے ''مدارس بل'' کے حوالہ سے درپیش مسائل کو جلد حل کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔